بیاد امام اہل سنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

سہ ماہی

ممبئی

افکارِ رضا

امام احمد رضا کا وجود دسویں صدی میں امت مسلمہ کے لئے خدا کا خاص تحفہ ہے۔ ادھر ابلیس نے اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا...... ناموس رسالت کی بے حرمتی کا تیر...... اور ادھر مشیت الٰہی نے احمد رضا کو عشق رسول ﷺ کا پیکر بنا کر سامنے کھڑا کر دیا...... وہ دیکھو احمد رضا بریلوی توہین رسالت کے مجرموں کے آگے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے ہیں...... اور بدزبان مولویوں کو للکار کر کہہ رہے ہیں...... "خدارا میرے آقا ﷺ کی توہین کرنا چھوڑ دو اور ان کی جگہ مجھے گالیاں دیتے رہو۔" امام احمد رضا کا شعور دیں یہ ہے ؎

خدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر، مقر
جو وہاں سے ہو، یہیں آکے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

سیّد عبدالرحمن بخاری۔ پاکستان

تحریکِ فکرِ رضا

۱۶۷، ٹوم ٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸ (انڈیا)

R.N.I REGISTERATION NO : 71248/99

برصغیر میں فکرِ امام احمد رضا کا باوقار جریدہ

سہ ماہی ممبئی

افکارِ رضا

جلد ۶ شمارہ ۲ ☆ اپریل تا جون ۲۰۰۰ء

محرم الحرام تا ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

مدیر: محمد زبیر قادری

منیجر: محمد اسحٰق برکاتی

رابطہ کا پتہ : Address :

Tehreek-e-Fikr-e-Reza

167, Dimtimkar Road, Nagpada,

Mumbai - 400 008. INDIA

TEL: 377 35 41

Distributed in Pakistan By

Markazai Majlis-e-Riza

P.o.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By

THE ISLAMIC TIMES

C/o. 138, Northgate Road,

Edgeley, Stockport, SK3 9NL

ENGLAND

فہرست

email: zubairqadri@india.com

پرنٹر پبلشر: محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔008 400 سے چھپوا کر دفتر 167، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔008 400 سے شائع کیا۔

اداریہ — اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا — محمد زبیر قادری

جاگو سنیو! جاگو

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے ساری زندگی باطل کے خلاف جہاد کرنے میں گزاری۔ باطل چاہے کفار ہوں، یہود و نصاریٰ ہوں یا بد مذہب فرقے امام احمد رضا کے نیزے کی مار سے کوئی نہیں بچ سکا۔ باطل کے خلاف جہاد کے وقت امام احمد رضا کبھی حالات سے خائف ہوئے نہ کبھی کسی حکومت سے گھبرائے۔ وہ کبھی باطل کے سامنے جھکے نہ کبھی ان کی بالادستی کو تسلیم کیا۔ یہی درس انہوں نے اپنے خلفاء، مریدین، ہم عصر علماء، تلامذہ اور معتقدین کو بھی دیا۔ ان کے وصال کے بعد ان کے تربیت یافتہ تلامذہ اور خلفاء نے باطل کا اسی پامردی سے مقابلہ کیا جس طرح امام احمد رضا کیا کرتے تھے۔

لیکن باطل قوتیں ہمیشہ اسلام کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ اس کے چراغ کو پھونکوں سے بجھانے کی کوششیں ہر عہد و زمانہ میں جاری رہیں۔ وقت اور حالات کے گزرنے کے ساتھ ہمارے سامنے نئے نئے مسائل اور چیلنجز کھڑے کیے جاتے رہیں۔ باطل قوتوں کے سامنے اسلام کے پیروکاروں کو منتشر کرنے، انھیں اسلام کی سچی تعلیمات سے دور کرنے، انھیں مذہب حقہ کے متعلق شک و ریب میں مبتلا کرنے کا صرف ایک ہی تیر بہدف نسخہ ہے...... وہ ہے اسلام میں نئے نئے فرقے پیدا کرنا اور ان کی پرورش و پرداخت کرنا۔ یعنی اپنے ہاتھ آلودہ کیے بغیر مسلمانوں میں سے ہی ایسے افراد کو کھڑا کرنا جو اسلام کی جڑیں کھودتے رہیں اور بے چارے مسلمان اندرونی خلفشار سے ہی نبٹتے رہیں۔

فرقوں سے متعلق پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی ہمیں بتا دیا تھا کہ میری اُمت میں تہتر فرقے ہوں گے اُن میں سے صرف ایک حق پر ہوگا اور باقی جہنمی ہوں گے۔ یعنی اس میں بھی رب العزت کی مصلحت شامل حال ہے ورنہ یہ فرقے کب کے ختم ہو چکے ہوتے۔ ان فرقوں کی موجودگی ہمارے لیے آزمائش کا ذریعہ ہے تاکہ ہم ہمیشہ اپنے تحفظ، بقا اور ترقی کے لیے کوشاں رہیں...... اور جاگتے رہیں۔

یوں تو سبھی فرقوں نے اسلام کی بیخ کنی کا کام کیا ہے لیکن جس فرقہ نے سب سے زیادہ اسلام کو نقصان پہنچایا وہ ہے منافقین۔ موجودہ زمانہ میں منافقین...... وہابیت کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ وہابیت کی ایک شاخ ہے تبلیغی جماعت جو ہمارے درمیان ہی رہتے ہوئے ہمیں مسلسل نقصان پہنچا رہے ہیں۔ یہ ہماری ہی مساجد میں ہمارے ہی ساتھ رکوع و سجود کرتے ہیں، اپنے مفاد کے لیے ہر وہ کام کر لیتے ہیں

جس سے وہابیت کو فروغ ملے۔ الحمد للہ ہمارے علماء اہلسنت نے ان کے ردّو ابطال میں خوب کام کیا اور مسلسل جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج عوام الناس بھی جانتی ہے کہ تبلیغی جماعت امتِ مسلمہ کا کینسر ہے۔ جب تک اس جماعت کو سعودی و یہودی مدد ملتی رہی اس نے خوب پر پُرزے نکالے۔ پیٹرو ڈالر کے ذریعہ بڑے بڑے اجتماعات کیئے اور لوگوں کو خوب پیسے دیکر چلّے اور گشت کروایا۔ لیکن آج سعودی کی نجدی حکومت جو کہ بنیادی طور پر غیر مقلد وہابی ہے، نے تبلیغی جماعت کی سرپرستی سے اپنا ہاتھ ہٹالیا ہے...... جب تک برطانوی اور امریکی آقاؤں کی مرضی رہی نجدیوں نے اپنی تمام زکوٰۃ و فطرات کو تبلیغیوں دیوبندیوں پر لٹایا۔ آج اوپر سے آرڈر آیا ہے کہ تبلیغی جماعت پر پابندی عائد کردو تو سعودی عرب میں تبلیغی جماعت پر پابندیاں عائد کردی گئی ہیں۔ ان کے خلاف فتوے جاری کیئے گئے ہیں۔ ان کے رد میں "القول البلیغ" جیسی...... کتابیں شائع کی جارہی ہیں۔ اس لیے فی الوقت تبلیغیوں کی حالت پتلی ہورہی ہے۔ مسلمانوں کے لیے ابھی بھی یہ ویسے ہی کینسر کی طرح مہلک ہے لیکن ان کا راشن پانی بند ہوجانے کی وجہ سے ان کی طاقت کچھ کم ہوگئی ہے۔ تقریباً ۷۵، سالوں کے درمیان جو سسٹم بن گیا ہے اسی کے تحت چل رہی ہے۔

اس وقت دو فرقے بہت تیزی سے فروغ پارہے ہیں ایک غیر مقلدین (خود ساختہ اہل حدیث)...... اور دوسرا قادیانی۔ حال ہی میں باطل قوتوں نے اپنا سرمایہ، وسائل اور تمام تر توجہ ان دو فرقوں پر مرکوز کردیا ہے۔ کیونکہ یہ کسی بھی فرقہ کو اتنا پنپنے نہیں دینا چاہتے کہ مستقبل میں ان کے لیے سنبھالنا دشوار ہوجائے۔ اس لیے آج تبلیغی دیوبندیوں کی جگہ غیر مقلدوں اور قادیانیوں کو اسلام کے خلاف استعمال کیا جارہا ہے۔

غیر مقلدین جو کہ بنیادی طور پر وہابی ہیں اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے براہ راست ماننے والے ہیں۔ اسی سال سے حرمین شریفین پر قابض ہیں اور دنیا بھر سے آنے والے حاجیوں کو وہابیت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہر سال کروڑوں روپے صرف کرکے غلط ترجموں والے قرآن شریف اور دیگر وہابیت کو فروغ دینے والا لٹریچر شائع کرکے دنیا بھر میں تقسیم کرتے ہیں۔ اکثر جو لوگ سعودی عرب میں ملازمت کی غرض سے جاتے ہیں وہ ان کی گمراہ کن تعلیمات سے متاثر ہوکر وہابی بن جاتے ہیں۔ اس فرقہ کو تمام تر وسائل حاصل ہیں۔ سب سے بڑھ کر دنیا بھر کے مسلمانوں کی عظیم عبادت گاہیں ان کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے یہ لوگ بآسانی اپنے گمراہ کن عقائد دوسروں پر مسلط کرتے ہیں۔

دوسری طرف ختم نبوت کے منکر قادیانی گروہ تو برطانیہ کی گود میں بیٹھ کر مسلمانوں کو کافر بنارہا

ہے۔ قادیانی جماعت کا ہیڈ کوارٹر برطانیہ میں ہے جہاں مرزا غلام احمد قادیانی کا موجودہ خلیفہ حجرہ میں بیٹھ کر اپنے ذاتی ٹی وی چینل (احمدیہ مسلم ٹی وی) انٹرنیٹ اور گمراہ کن لٹریچر کے ذریعہ قادیانیت کو فروغ دینے میں لگا ہوا ہے۔ جس طرح سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین جیسے ناکارہ ترین لوگوں کی لاکھوں ڈالر خرچ کر کے صرف اس لیے حفاظت کی جاتی ہے کہ یہ لوگ مسلمان (نام نہاد ہی سہی) ہوتے ہوئے اسلام کو زک پہنچانے کا کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح انگریز انھیں تمام ہی مراعات ووسائل فراہم کر رہے ہیں کیونکہ وہ اچھی طرح اس بات کو جانتے ہیں کہ آج اگر انھوں نے مرزائیت کی سرپرستی چھوڑ دی تو یہ فتنہ لمحوں میں اپنی موت آپ مر جائے گا۔

موجودہ دور کا المیہ یہ ہے کہ طاغوتی طاقتوں نے مادّیت پرستی کو فروغ دیکر مذہب کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ آج کا انسان بہت آسانی سے ان کی سازش کا شکار بن رہا ہے۔ کیونکہ غیر مقلدین یا قادیانی فرقہ میں شامل ہوتے ہی آپ دنیا میں ہی جنت کے مالک بن جاتے ہیں۔ چونکہ ہر شخص کا مطمح نظر ایک خوش حال دنیوی زندگی کا حصول بنتا جارہا ہے۔ دنیا کے متلاشی انسان کو جب صرف اس کے مذہب کی تبدیلی کے عوض تمام تر آسائشیں میسر آرہی ہیں تو کیوں وہ محنت مشقت کریں۔ کس کو فکر ہے کہ وہ گہرائی میں اتر کر دیکھے کہ سچا مذہب کیا ہے؟...... کاش کہ لوگ ایک مرتبہ باطل مذہب اختیار کرنے سے قبل یورپ، امریکہ اور افریقہ میں اسلام قبول کرنے والوں کی زندگی کا مطالعہ کرلیں تو شاید وہ اپنے ارادے سے باز آجائیں کہ کیا وجہ تھی کہ تمام تر مادّی وسائل اور آسائشوں کے ہوتے ہوئے ان لوگوں نے باطل مذاہب سے چھٹکارا پاکر اسلام کی آغوش میں آنا پسند کیا۔ جبکہ وہ جانتے ہیں کہ اسلام قبول کرتے ہی ان کی وہ آسائشیں اور مادّی وسائل ان سے چھین لینے کی تمام تر کوششیں کی جائیں گی۔ ان کو شدید مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس کے باوجود وہ لوگ کیوں اسلام کو قبول کر رہے ہیں......؟

سونا پاس ہے سُونا بن ہے سونا زہر ہے اُٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

ہمیں امام اہلسنّت امام احمد رضا نے بار بار یہ سمجھایا، یہ تلقین کی کہ مسلمانوں اپنے ایمان و عقائد کی حفاظت کرو مگر ہم کہاں سنتے ہیں۔ کچھ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ سُنّی اس قدر سُن ہوگئے ہیں کہ انھیں سنائی نہیں دیتا کچھ حد تک صحیح کہتے ہیں۔ آج ہمیں جس چیلنج کا سامنا ہے وہ ہے گمراہ فرقوں کی جانب سے ایمان کی چوری کا۔ چونکہ صرف ہم ہی حق پر ہیں اس لیے تمام فرقوں اور باطل ادیان کا نشانہ بنے ہوئے

ہیں۔ ہمارے یہاں سے فرقہائے باطلہ کا رد و ابطال ہو تو رہا ہے مگر زمانہ کی چال کے ساتھ چلنا ہم نے نہیں سیکھا ہے۔ دشمنوں سے مقابلہ کے لیے اگر اس ایٹم، ہائیڈروجن، نائٹروجن بموں کے دور میں ہم تیر و تفنگ استعمال کریں تو کامیابی کس کی ہوگی؟ وہ تو نصرتِ خداوندی کے طفیل سب کچھ چل رہا ہے ورنہ ہم کب کے مٹ چکے ہوتے۔ کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور سیٹیلائٹ چینلوں کے اس دور میں ہمارے علماء اب بھی اسی روایتی طریقوں پر عمل کرتے ہوئے کام کر رہے ہیں۔ آج کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے کوئی بھی اقدام نہیں کیا جارہا ہے۔ اس طریقہ سے جو عوام ہمارے قریب آتی ہے وہ صرف بھیڑ چال کی حیثیت رکھتی ہے۔ پڑھے لکھے اور ذہین افراد غیروں کے شکار ہو رہے ہیں۔ دیوبندیوں، تبلیغیوں کا رد تو خوب ہو رہا ہے اور ہونا بھی چاہئے لیکن ہمارے علماء، دانشور اور سنی تنظیمیں شیعہ، قادیانی اور غیر مقلدین کی جانب سے کیوں آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں؟

OOOOOOOOOOO

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد تراززی

محبت رضا۔ اہل ایماں کیلئے اب تو کسوٹی ہے یہی

غلام مصطفےٰ قادری رضوی۔ باسنی، ناگور شریف، راجستھان

تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ پوشیدہ نہیں کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کا دور کتنا خطرناک اور سیاہ تھا جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس انقلاب کے پس و پیش منظر کا کچھ ہوا وہ بتانا مقصود نہیں بلکہ آیئے اس سے ایک برس پہلے ۱۸۵۶ء کے دور کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا یہ دور اسلامیانِ عالم کے لئے بہت ہی نازک اور پر فتن تھا۔ غیر مذہبی سیاسی فسادات کے علاوہ مذہبی فسادات بھی شروع ہو چکے تھے، کفر و ضلالت کی تیز آندھیاں فضا میں منتشر تھیں، رہزنانِ اسلام قومِ مسلم کے قلوب واذہان سے محبت و عشقِ رسول علیہ التحیۃ والثناء سے خالی کر رہے تھے، ناموسِ رسالت کو پامال کرنے کی سازشِ ناکام کی جارہی تھی، شانِ انبیاء خصوصاً تاجدارِ انبیاء محمد عربی ارواحنا فداہ ﷺ کی شانِ ارفع واعلیٰ میں شدید ترین گستاخیاں کی جارہی تھیں، محبوبینِ خدا سے مدد واستعانت کو شرک وبدعت سے تعبیر کیا جارہا تھا، علمِ غیب مصطفےٰ ﷺ کو جانوروں، بچوں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ دی جارہی تھی، اسی پر اکتفا نہیں بلکہ شانِ ایزدی میں گستاخ آمیز کلمات استعمال کئے جارہے تھے...... ایسا کربناک ماحول کہ الامان والحفیظ۔

ایسے سخت نازک موڑ پر کوئی ایسا بھی نہیں تھا جو بیک وقت ان تمام فتنوں سے مدمقابل ہو کر ان کی سرکوبی کر سکے اور پھر سے دیوانگانِ عشقِ رسول کو محبتِ رسول کے پلیٹ فارم پہنچا دے۔

ربِ کائنات کی رحمتوں کو جوش آیا اور اپنے محبوب کی امت مرحومہ پر رحم فرماتے ہوئے ۱۰، شوال ۱۲۷۲ھ / ۱۴، جون ۱۸۵۶ء بروز پنج شنبہ ایک علمی اور روحانی گھرانے میں اپنے ایک خاص بندے کو پیدا فرمایا جسے دنیائے اسلام اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی رضی اللہ عنہ کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں ان کے نام اور کام کا ڈنکا نہ بجتا ہو۔ جس کی حیات وخدمات کو احاطۂ تحریر میں لانا تو درکنار ایک ایک گوشے پر خامہ فرسائی کی جائے تو دفتر کے دفتر تیار ہو جائیں۔ تقریباً ۷۵ برسوں سے آپ کی دینی خدمات کو اجاگر کیا جارہا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

ے گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں

آپ کو تعجب ہوگا کہ آج تک کسی عالمِ دین کی سیرت و سوانح اور علمی خدمات پر اس قدر تحقیقی کام

نہیں ہوا جتنا کہ امام احمد رضا کی حیات و خدمات پر ہوا۔ پورے عالمِ اسلام میں آپ کے نام اور کام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ بے شمار ادارے قائم ہو چکے ہیں جن میں کئی ایک فضلاء آپ کی ذات و نمایاں کارناموں پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

ہندوستان میں اتنا کام نہیں ہوا جتنا ہونا چاہئے تھا حالانکہ امام احمد رضا یہیں پیدا ہوئے اور اسی سر زمینِ ہند میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ بریلی کی دھرتی پر بیٹھ کر پیغامِ عشق رسول ﷺ نشر فرماتے رہے اور ۲۵، صفر المظفر ۱۳۴۰ھ میں اسی ملک میں مدفون ہوئے۔

یہ ہماری کمزوری ہی کہیے کہ جس مردِ حق نے اسلام و مسلمین کی خدمات کے لئے اپنے شب و روز یکساں کر کے قرطاس و قلم کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو اہلِ مذاہبِ باطلہ کے شر و مکر و کید سے بچایا ہو، تحفظِ ناموسِ رسالت میں اپنی پوری زندگی وقف کر دی ہو اس عظیم مصلح کے کارناموں کو ہم دنیا کے سامنے نہیں پیش کر سکے۔ اور مزید المیہ یہ ہے کہ اس بے داغ شخصیت پر الزام و بہتان چسپاں کئے جا رہے ہوں اور ہم خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ امام احمد رضا پر کیا کیا ظلم و ستم ڈھائے گئے اور ان کی تشہیر کس انداز میں کی گئی؟ کیا ان کے بارے میں نہیں کہا گیا کہ وہ تنگ نظر۔ کم علم۔ موجد بدعات و منکرات۔ مکفر المسلمین۔ مبتلائے شرک و کفر اور انگریزوں کے حامی و ناصر تھے۔ جیسا کہ مخالفین کی کتب اس سے پُر ہیں اور اب بھی طعن و تشنیع کی جا رہی ہے۔ اگست ۱۹۹۷ء کے روزنامہ ہندوستان میں بھی کسی مخالفِ اہلسنّت وجماعت نے لکھا کہ ”مولانا احمد رضا نے تحریکِ خلافت کی مخالفت کی اور ہندوستان کو دار الاسلام قرار دیا یہ دونوں کام انگریزوں کے اشارے پر کئے۔ مولانا احمد رضا نے بہت سے علماء کی تکفیر کی۔ مولانا احمد رضا بریلوی اور ان کے متبعین امت کے درمیان اختلاف وانتشار پھیلاتے رہے ہیں۔ مولانا احمد رضا انگریزوں کے ایجنٹ تھے وغیرہ۔

یہ سب کہا گیا اور اس لئے کہا گیا کہ بحمد اللہ ہمارے دلوں میں امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی والہانہ عقیدت و محبت ہے، اسے نکال دیا جائے اور طرح طرح کے الزامات عائد کر کے اس کی شخصیت کو مجروح کر دیا جائے جب یہ سب کچھ کر دیا جائے گا تو خود بخود محبانِ رضا ان سے جدا ہو جائیں گے اور جب امام احمد رضا کی محبت ان کے سینوں سے نکل جائے گی تو سنی بریلوی امام احمد رضا کے بتائے ہوئے عشقِ رسول علیہ التحیۃ والثناء کے پلیٹ فارم سے اتر جائیں گے اور سنیت بد مذہبیت اور سامراجیت میں تبدیل ہو جائے گی۔ باطل طاقتیں مسلسل اسی تگ ودو میں ہیں کہ کسی طرح امام کی غیر معمولی عظمت

وشہرت کو ختم کر کے قوم مسلم کو زوال اور پستی کی طرف دھکیل دیا جائے۔

جیسا کہ مولانا رحمت اللہ صدیقی تحریر فرماتے ہیں کہ

"امام احمد رضا کی ہمہ گیر شخصیت کو متنازعہ بنانے کے لئے بہت سارے ادارے اور تحریکیں وجود میں آئیں اور آپ کی ذات پر بہت سارے بے بنیاد الزامات چسپاں کئے گئے اور ان کی بڑے پیمانے پر اشاعت کی گئی۔ بڑے بڑے پیران طریقت اور خانقاہوں کو آپ سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی یہ بات بھی حقیقت ہے کہ جو لوگ امام احمد رضا کے تعلق سے غلط فہمی کے شکار ہوئے اور جن خانقاہوں کا رشتہ آپ سے منقطع ہوا سب کے سب تباہ و برباد اور مذہب حقہ اہلسنت و جماعت سے الگ ہو گئے دین پچانہ ایمان"

اہلسنت کے نامور صاحبِ فکر و قلم علامہ عبد الستار ہمدانی صاحب نے اس سلسلے میں جو تحریر فرمایا ہے وہ بھی اپنی جگہ بجا ہے کہ "امام احمد رضا کی معرکتہ الآراء تصانیف کا جواب نہ لکھ سکنے کی اپنی کمزوری کو ڈھانپنے کی غرض سے ایک آسان راہ یہ اختیار کی گئی کہ امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف کو فراموش کروادیا جائے اور ان کی شخصیت پر حملے کئے جائیں کیونکہ یہ بات شواہد سے ثابت ہے کہ جب کسی شخص کی ذات مجروح کر دی جاتی ہے تو اس کی کتابیں بھی خود بخود مجروح اور ناقابل مطالعہ ہو جائیں گی۔ کیونکہ جب مصنف کے متعلق یہ بات عام کر دی جائے کہ وہ ایک تنگ نظر۔ جنگ جو۔ شدت پسند۔ مشتعل۔ متعصب۔ بدعات و منہیات کا موجد۔ متکبر ترش رو۔ تفریق بین المسلمین کا علمبردار۔ فتنہ پرور۔ تکفیر مسلمین میں بے باک۔ علم و ادب سے آشنا وغیرہ ہے تو اس کا اثر یہ پڑتا ہے کہ اس کی تصانیف سے التفات نہیں بلکہ اجتناب کیا جاتا ہے اور جب اس کی تصانیف سے پرہیز کیا جائے گا تو پھر ان تصانیف میں بکھرے ہوئے علمی، ادبی، فنی اور روحانی جواہرات سے کیونکر آگاہی ہو گی اور عقائد و اعمال کی اصلاح کیونکر ہو گی۔

امام احمد رضا سے لوگوں کی عقیدت 'الفت و محبت نکالنے کی کس طرح اور کیسی کیسی سازشیں کی گئی امام موصوف کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے :

فرماتے ہیں۔ "عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دھاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کی علماء اہلسنت کے فتوئی تکفیر کا کیا اعتبار یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسمٰعیل دھلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحاق صاحب کو کہہ دیا مولوی عبد الحئی صاحب کو کہہ دیا پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ حضرت عبد العزیز صاحب، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، حاجی امداد اللہ اور حضرت مجدد الف ثانی کو کہہ دیا غرض جس کو جس کا معتقد پایا اس کا نام لے لیا۔"

امام احمد رضا کی گراں قدر خدمات دینیہ وملیہ ناقابل فراموش ہیں بیسویں صدی عیسوی میں جتنے نمایاں کارنامے آپ نے انجام دیئے اس نے کسی بھی مجدد و محقق نے اتنے کام نہیں کئے چاہے وہ مذہب و مسلک کا معاملہ ہو یا سیاسی معاملہ۔ ہر معاملہ میں ان کی خدمات زرّیں حروف سے لکھنے کی قابل ہیں۔

امام احمد رضا نے اپنے پُر فتن دور میں بھی دین وسنیت کی اتنی خدمات انجام دیں کہ دنیا محوِ حیرت ہے۔ بد اعتقادی کے اس دور میں قرطاس و قلم کے ذریعے مسلسل جہاد میں وہ مردِ مجاھد مصروف رہا۔ اور گم گشتگانِ راہ ہدایت کو راہ راست پر لاتا رہا۔ وہ توکل علی اللہ کی دولت لازوال سے مالا مال تھا اس کا اعتقاد تھا کہ دنیا والے کچھ بھی کرلیں یہ غلامِ رسول اسی طرح شمشیر برہنہ بن کر اعدائے دین پر برستا رہے گا اور پیغام دیتا رہے گا کہ مال و دولت لٹ جائے چھن جائے لیکن متاعِ عظیم اور دولت ایمانی ہاتھ سے نہ جانے پائے اسی لئے وہ بہانگ دھل پکار تا رہا کلکِ رضا ہے خنجر خونخوار برق بار۔ اعداء سے کہدو خیر منائیں نہ شر کریں۔ اور بارگاہ رسالت میں یہ استغفاثہ پیش کرتا رہا۔

اک طرف اعدائے دیں ایک طرف ہیں حاسدیں
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروڑوں درود

ایسے محسن کے عظیم کارناموں کو دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اہلِ باطل لاکھ کوشش کریں لیکن عقیدتِ رضا ہم سے نکل نہیں سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ادھر وہ اپنی ناکام سازش میں مصروف ہیں اور ادھر بقول مدیر سہ ماہی افکار رضا بمبئی موجودہ پریشان کن حالات اور مایوس کن تجربہ کے باوجود آج ہندوستان میں فکر رضا کی اشاعت اور تبلیغ کے لئے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مراکز کام کر رہے ہیں ہزاروں مساجد "فکر رضا" کی درسگاہیں بنی ہوئی ہیں۔ سیکڑوں انجمنیں تعلیماتِ رضا کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ ہزاروں واعظ مقامِ رضا کو پیش کرنے میں سرگرم ہیں۔ ہزاروں نعت خواں کلامِ رضا سے دلوں کو عشق مصطفیٰ کی حلاوت سے سرشار کر رہے ہیں۔ ہزاروں ناشرانِ قرآن کنزالایمان کی اشاعت میں صبح وشام مصروف ہیں ہزاروں دانشور "احوال ومقامات رضا پر کام کر رہے ہیں اہل قلم فکر رضا کو پھیلا رہے ہیں فکر رضا کا یہ ایمان یہ افروز ماحول ایسا ہے جو بحمد اللہ کسی دوسرے عالم دین کی تعلیمات و نظریات کی اشاعت کے لئے میسر آیا اس مقام پر ہم جس قدر مسرت کا اظہار کریں کم ہے جس قدر فخر کریں کم ہے جس قدر اللہ کا شکر ادا کریں کم ہے عشق رسول کی ضیاؤں کا جس قدر احسان مانیں کم ہے۔

؎ جھوم جھوم اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں

میں غیروں سے نہیں اپنوں سے عرض کرتا ہوں کہ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں جتنا ہو سکے سنیت کو فروغ دینے میں سرگرم ہو جائیں۔ ناک مونچھ کی بات سے ہٹ کر صرف اسی اتحاد و اتفاق کے پلیٹ فارم پر آجائیں جس پر آنے کا امام احمد رضا نے پیغام دیا یعنی محبت رسول ﷺ میں سرشار ہو کر اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ دین وسنیت کا کام کریں۔ انشاء اللہ العظیم اگر ایسا ہوگا تو اس کے دوررس نتائج سامنے آئیں گے پھر مخالفین سے ہم کہتے ہیں اور کہتے رہیں۔

محبت و عقیدت رضا ہمارے سینوں سے نکال نہیں سکتے

قطعۂ تاریخ بر رحلتِ شارح بخاری

نتیجہ فکر۔ محمد حسین مشاہد رضوی۔ مالیگاؤں

رحلتِ شارح بخاری سے — دل پہ بجلی سی گر پڑی کل رات
تازہ پھر ہوگیا غم نوری — سینوں کے نہ پوچھئے جذبات
شرح متن بخاری کی صورت — عشقِ احمد کی دے گئے سوغات
فکرِ تاریخ کر رہا تھا میں — خود بخود پیدا ہوگئے حالات
اے مشاہدؔ یہ کہہ دو بے تشدید
بلبلِ بوستانِ رضویات

۲۰۰۰ء

قطعات بر رحلتِ شارح بخاری

غواصِ بحرِ علمِ حدیثِ رسول تھے — گنجینۂ علوم و فروع و اصول تھے
اُن کی مہک مشاہدِ رضوی عجیب تھی — رضوی چمن کے امجدی گلشن کے پھول تھے

صاحبِ شرحِ بخاری مفتیٔ دینِ حنیف — مفتی اعظم کے نائب اُن کے اعدا کے حریف
واعظِ بے مثل تھے آپ اور مناظر بے بدل — کانپتے تھے نام سُن کر جن کا باطل کے حلیف

شارح بخاری قدس الملک الوافر......۲۰۰۰ء

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی۔بریلی شریف

چراغ بجھتا ہے تو اندھیرے میں ڈوب جاتا ہے اور سورج ڈوبتا ہے تو پوری دنیا تاریکی میں ڈوب جاتی ہے۔ایک عالم دین کی موت بس ایسی ہی ہوتی ہے جیسے سورج ڈوب گیا ہو اور سارے عالم میں اندھیرا چھا گیا ہو۔اسی لیے "عالِم کی موت کو عالَم کی موت" کہا گیا ہے۔

اب ایک ایسے عالم کی موت جو بیک وقت فقیہہ و مفتی، محدث و مفسّر، متکلم و مناظر، استاذ و معلم، مرشد و ہادی، ادیب و مصنف، شارح و محقق، نقاد و مبصر، مصلح و قائد اور مدبر و مفکر بھی رہا ہو......اس کی موت کتنے عوالم، کتنے جہانوں کی موت ہوگی ؟......

ہاں! وہ ایک ایسے ہی خوبیوں والے عالم دین اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے جنھیں کل تک زمانہ......"نائبِ مفتی اعظم ہند" کے لقب و خطاب سے یاد کرتا تھا......اور اب انھیں......"فقیہہ اعظم ہند" کے عظیم و جلیل لقب سے یاد کرتا ہے۔......ہاں! وہی "مفتی محمد شریف الحق امجدی"......آج جنھیں...... ......مرحوم و مغفور، رحمتہ اللہ علیہ اور قدس سرہ العزیز لکھنا پڑ رہا ہے......یعنی

(۱) نائبِ مفتی اعظم رحمتہ اللہ الولی......۱۴۲۱ھ آہ "فقیہہ اعظم ہند"......نہیں! بلکہ......"فقیہہ اعظم ہند و پاک"......پردہ فرما گئے، ہم سے جدا ہو گئے......

(۲) "وصالِ فقیہہ اعظم ہند و پاک"......۱۴۲۱ھ سے دنیائے سنّیت کی چمکتی لہکتی فضا میں سناٹا چھا گیا۔

(۳) "آہ! صاحبِ عزت و عظمت"......۲۰۰۰ء

(۴) آپ صحیح معنی میں......"صاحبِ فضیلت"......۱۴۲۱ھ "اس شریف شہر حق و صداقت"......حق جل جلالہ کے "بندۂ شریف"۔"مرد شریف"......مفتی محمد شریف الحق امجدی نور اللہ مرقدہ کی موت سے......علم و فضل و آگہی، تدبر و تفکر، رشد و ہدایت، کمال و خوبی اور تہذیب و شرافت و انسانیت کی موت ہو گئی......

(۵) اس......"نازشِ صدر شریعت رحمتہ اللہ الحی"......۲۰۰۰ء

(۶) الفت صدر الشریعہ......۱۴۲۱ھ

(۷) رازدارِ فقاہت رضا......۲۰۰۰ء

کے تفقہ، علم و فضل و کمال، انکسار و خلوص، اکابر سے نیاز مندی، اصاغر پر شفقت کو دیکھتے پرکھتے ہوئے انھیں مرکزِ اہل سنت بریلی شریف کے علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے...... "نائب مفتی اعظم" تسلیم کیا تھا۔ سرکارانِ مارہرہ مطہرہ کی تحریک پر اسلامیانِ برصغیر نے انھیں...... "فقیہ اعظم ہند" کا عظیم و جلیل لقب دیا اور ان کے دینی و علمی کارناموں کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے انھیں چاندی میں تولا۔ چاندی سونے اور ہیرے موتی کی کیا حقیقت؟ ان کی شخصیت تو ایسی گراں بہا تھی کہ اس کے سامنے وزن و قیمت بے وزن و بے مول ہو جاتے ہیں...... وہ انمول تھے...... وہ تو جماعت اہلسنت کے دلوں میں بسے اور پلکوں پر سجے ہوئے تھے اور آج ہر دل ان کا گھر اور ہر پلک ان کی رہ گزر ہے۔

(۸) "آہ! نازشِ مرشدان مارہرہ شریف"...... ۲۰۰۰ء

(۹) "برکاتی بریلوی مفتی"...... ۱۴۲۱ھ

(۱۰) آہ!...... "چراغ خانۂ علم"...... خموش ہو گیا...... آہ!

(۱۱) "شمع حبِ رضا"...... ۱۴۲۱ھ...... گل ہو گئی...... آہ!

(۱۲) "نیر منیر چرخ امجدی"...... ۱۴۲۱ھ...... غروب ہو گیا

لیکن آفتاب غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا۔ علم و فضل کے اس آفتاب نے صرف اپنا مطلع تبدیل کیا ہے۔ اس کا برپا کیا ہوا اُجالا آج بھی علم و فضل و کمال و دانش کی دنیا کو منور کئے ہوئے ہے۔ بالخصوص "نزہۃ القاری شرح بخاری" کی روشنی سے علم و تحقیق، شرح و تدقیق...... تصنیف و تحریر...... لفظ و حرف کا جہاں منور و تاباں ہے۔......

آہ آہ!!...... (۱۳) "شارح بخاری قدس سرہ الملک الوافی"...... ۲۰۰۰ء

"آپ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے"...... آپ گئے تو "باغ فردوس" (الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور) کی بہاریں روٹھ گئیں...... بریلی شریف کے جامعات...... "منظر اسلام، مظہر اسلام" "نوریہ رضویہ" کی فضائیں سوگوار ہو گئیں...... مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے "مرکزی دارالافتا" میں سناٹا سا چھا گیا۔ سرکارانِ مارہرہ مطہرہ کے دلوں سے آہ اور ہونٹوں سے کراہ نکل پڑی۔ گھوسی، مبارکپور، بنارس، براؤں ہی کیا۔ ہندوسندھ سے لیکر سیلون و رنگون۔ زمباوے و ہرارے، سرینام و موریش، افریقہ و امریکہ اور ہالینڈ و انگلینڈ تک کی فضائیں سوگوار ہو گئیں۔ آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ مدرسوں، دارالافتاؤں اور دانش کدوں کے در و دیوار رو پڑے......

(۱۴) "آہ! قرارِ دلِ حافظ ملت"......۲۰۰۰ء...... آپ دلوں کو بے قرار کر کے چلے گئے......

آپ چلے گئے لیکن آپ کی یاد سدا ہمارے دلوں میں باقی رہے گی۔ آپ کے کارنامے اور آپ کا نام باقی رہے گا۔ آپ امر ہیں، زندہ جاوید ہیں......

سلام! آپ کی عظمتوں کو سلام...... "اے مرد شریف خدا"۔ "اے شریفِ شہر فقہ وافتاء"۔

فقیہہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ والرضوان۔ زندہ باش!!

ہزاروں رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر
فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری

مادہ ہائے تاریخ وصال...... حضرت مفتی شریف الحق امجدی نور اللہ مرقدہ

۱۔ صاحبِ فضیلت......۱۴۲۱ھ

۲۔ آہ! صاحبِ عزت عظمت......۲۰۰۰ء

۳۔ وصال فقیہہ اعظم ہندوپاک......۱۴۲۱ھ

۴۔ شارح بخاری قدس سرہ الملک الوافی......۲۰۰۰ء

۵۔ آہ! نازش مرشدانِ مارہرہ شریف......۲۰۰۰ء

۶۔ نیر منیر چرخ امجدی......۱۴۲۱ھ

۷۔ چراغ خانۂ علم......۲۰۰۰ء

۸۔ برکاتی بریلوی مفتی......۱۴۱۲ھ

۹۔ الفت صدر الشریعہ......۱۴۲۱ھ

۱۰۔ شمع حب رضا......۱۴۲۱ھ

۱۱۔ نائب مفتی اعظم رحمۃ اللہ الولی......۲۰۰۰ء

۱۲۔ رازدارِ فقاہت رضا......۲۰۰۰ء

۱۳۔ نازشِ صدر شریعت رحمۃ اللہ الحی......۲۰۰۰ء

۱۴۔ آہ! قرارِ دلِ حافظ ملت......۲۰۰۰ء

حضرت رضا بریلوی کی مضمون آفرینی

ڈاکٹر سراج احمد قادری۔ ایم اے۔ پی ایچ ڈی، بستی۔ یوپی

حضرت امام احمد رضا بریلوی کی علمی، ادبی اور مذہبی شخصیت اور ان کے افکار و خیالات پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ عالمی سطح پر مختلف عنوانات کے تحت یونیورسٹیوں اور عالمی جامعات میں لگ بھگ پندرہ سے زائد ڈاکٹریٹ کے مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ جس پر اسکالروں کو ڈگری بھی ایوارڈ ہو چکی ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت فاضل بریلوی کے عنوان یا موضوع پر ایک نہیں بلکہ گوناگوں تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ پاکستان کے ایک عظیم اسکالر، وفاقی وزیر مولانا کوثر نیازی اپنے ایک مقالے میں تحریر فرماتے ہیں:

"امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے عظیم عالم دین ہیں۔ وہ بیک وقت مصنف بھی ہیں اور محقق بھی، فقیہہ بھی ہیں اور مفتی بھی، شاعر بھی ہیں اور ادیب بھی، ماہر ریاضی و ہیئت بھی اور سائنس داں بھی، مورخ بھی ہیں اور مفسر بھی، صوفی بھی ہیں اور ولی بھی، انہوں نے ایک ہزار کتابیں تصنیف کی ہیں۔ یہ اس پائے کی علمی کتابیں ہیں کہ ان کے ایک ایک صفحے سے اس دور کے ذوق تصنیف کے مطابق ایک ایک کتاب مرتب کی جاسکتی ہے۔ ان میں کئی کتابیں ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً تیرہ سال کی عمر سے فتویٰ نویسی کا کام شروع کیا تھا اور کامل ۵۴ سال تک وہ مسند افتاء پر فائز رہے۔ ان کے فتاوے ایک ایک ہزار کے بڑے سائز کے صفحات پر مشتمل بارہ جلدوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ فتاویٰ اردو، عربی، فارسی اور ہندی چار زبانوں میں ہیں۔ نثر میں کسی نے سوال پوچھا ہے تو نثر میں اس کا جواب لکھا ہے۔ نظم میں پوچھا ہے تو نظم میں جواب دیا ہے۔ شاعر اتنے بڑے ہیں کہ ان کا نعتیہ مجموعہ "حدائق بخشش" کا پوری اردو شاعری میں جواب نہیں۔ افسوس ہماری تاریخ کی عبقری شخصیات کی طرح وہ بھی ایک مظلوم شخصیت ہیں۔ ان کے ماننے والے ان کا صحیح تعارف نہیں کرا سکے۔ اور انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں عام طور پر انھیں ایک "کافر گر عالم" کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ مجھے تسلیم کرنا چاہیے کہ میں خود آج سے پانچ سال قبل تک ان کے بارے میں کئی غلط فہمیوں کا شکار تھا۔ یہ تو جب میں نے انھیں پڑھنا شروع کیا تو میری آنکھیں کھلیں۔ بلا مبالغہ اب تک میں نے ہزاروں کتابیں پڑھی ہیں۔ قدیم وجدید (اردو، عربی، فارسی) کے کم و بیش تمام مشہور اہل علم کے رشحات قلم سے بقدر ظرف استفادہ کیا

ھے۔ کم وبیش دس ہزار کتابیں تو خود میری اپنی لائبریری میں موجود ہیں اور ان میں ایک سے ایک نادر و نایاب کتاب شامل ھے۔ میں نے سمجھ رکھا تھا میں نے بہت کچھ پڑھ لیا ھے مگر جب امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کو پڑھنا شروع کیا تو معلوم ہوا، اب تک ساحل پر صرف سیپیاں چن رہا تھا۔ سمندر تو اب نگاہوں کے سامنے آیا ہے......(۱)

مولانا محترم کی مذکورہ تحریر سے حضرت فاضل بریلوی کی عظیم شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مبلغ علم کیا تھا؟ انیسویں اور بیسویں صدی کو اگر بغائر دیکھا جائے تو آپ کی پائے گاہ کا کوئی عالم دین نظر نہیں آتا جو بیک وقت اتنی خوبیوں کا مالک ہو۔ جن اوصافِ حمیدہ کے مالک حضرت بریلوی تھے۔

حضرت فاضل بریلوی نے اردو زبان وادب کو جن نئے نئے رجحانات، افکار وخیالات سے روشناس کرایا۔ اردو ادب کی تاریخ میں اس کی مثال آپ ہے۔ مگر اس کے باوجود اردو زبان وادب کی تاریخ کے مرتبین نے نہ جانے کیوں حضرت رضا بریلوی کے تذکرے سے صرفِ نظر برتا۔ کچھ اسی طرح کے احساس کا اظہار پروفیسر مجنوں گورکھپوری، جناب آسی غازیپوری کے حوالے سے کیا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"آج مجھے کوئی قابل قدر تاریخ شعر اردو ایسی یاد نہیں آتی جس میں آسی کی شاعری کا اعتراف کیا گیا ہو۔ مولانا عبدالسلام ندوی جیسا بالغ نظر اور ہمہ گیر مورخ دو جلدیں "شعر الھند" کی لکھ ڈالتا ھے اور مشکل سے کسی ایک جگہ آسی کا نام لیکر چپ ہو جاتا ہے اور پھر نہ اس کی شاعری پر کوئی رائے دیتا ہے اور نہ ان کا ایک شعر درج کرتا ھے۔ کیا آسی کے سارے کلام میں ایک شعر بھی ایسا نہ نکل سکا جس کو تغزل یا تصوف یا کسی اور عنوان کے تحت مثالاً پیش کیا جاسکتا؟ کہا جاسکتا ھے کہ آسی کا مرتبہ شاعر سے بہت بلند تھا۔ اور شاعری ان کے لئے باعثِ فخر نہ تھی۔ وہ خانقاہِ رشیدیہ کے سجادہ نشین تھے اور ایک صاحبِ باطن مرشد اور یہی ان کی اصل بزرگی اور برگزیدگی ہے۔ جس کے سامنے ان کی ساری شاعری شرما کر منھ چھپا لیتی ھے۔ یہ آسی خود کہتے تو ہم خاموش ہو جاتے یا پھر اگر کوئی ایسا مرید کہتا جو شاعری کا مبصّر نہ ہوتا یا کم از کم شاعری پر تنقید کرنے نہ بیٹھا ہوتا تو بھی اس کو معاف کیا جاسکتا تھا۔ لیکن ایک نقادِ ادب کو ایسا تجاہل زیبا نہیں۔ اردو شاعری میں آسی کی شاعری کو شامل نہ کرنا صریح ظلم ھے۔ مانا کہ آسی کے لئے شاعری ننگ تھی لیکن ہمارے لئے تو ننگ نہیں ھے۔ اور پھر آسی کے کلام میں جو سنجیدہ دردمندی اور جو متین گداز ہے وہ صاف اِس بات کی دلیل ھے کہ وہ خود بھی مزہ لیکر شعر کہتے تھے اور شاعری کو ننگ وعار کی چیز نہیں سمجھتے تھے۔......(۲)

شعر وسخن کی تاریخ میں جن موضوعات پر یا عنوانات پر شعراء نے خصوصی توجہ مرکوز کی ہے

انھیں میں سے مضمون آفرینی بھی ہے۔ لغت میں مضمون آفرینی کے معنی ہیں "ذہن سے نئی بات نکالنا"...... (۳) جس کو ہم اور آپ اپنی زبان میں بات سے بات پیدا کرنا بھی کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ عروسِ سخن کے تاجور غالبؔ دہلوی نے فرمایا ہے۔

"شاعری دراصل مضمون آفرینی کا نام ہے نہ کہ قافیہ پیمائی کا۔"...... (۴)

حضرت رضاؔ بریلوی کے سرمایۂ کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے شعر سخن کو جن نئے نئے رجحانات وخیالات، الفاظ وترکیب اور محاوروں سے ہم کنار کیا اس سے قبل وہ شعرو سخن کا مقدر نہ بن سکے تھے۔ مثال کے طور پر یہاں صرف ان کی ایک نعتِ پاک کو پیش کیا جاتا ہے جس کے مطالعہ سے اہلِ زبان وادب کو خود خود اندازہ ہو جائے گا کہ سخن طرازی میں ان کا مقام کیا ہے؟

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جد اعلیٰ ہے ہمارا

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں
یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم
اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا

خم ہوگی پشت فلک اِس طعنِ زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

اس نے لقب خاک شہنشاہ سے پایا
جو حیدر کرار مولیٰ ہے ہمارا

اے مدعیو! خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اس خاک میں مدفون شہہ بطحا ہے ہمارا

ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہہ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

ہم خاک اُڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضاؔ جس پہ مدینہ ہے ہمارا...... (۵)

حضرت رضا بریلوی کی اس نعت پاک میں مضمون آفرینی کا جو منظر پیش نظر ہے جی چاہتا ہے کہ اس نعت پاک کا ورد کرتے رہیے اور سر دھنتے رہے۔ زبان کا چٹخارہ پن اور عشق رسول کی لذت بھی کچھ کم نہیں۔ اور سب سے بڑی خوبی جو نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ زمین کی فضلیت اس سے معتبر اور مستند انداز میں تحریر نہیں کی جا سکتی۔

ایک بار میں جناب صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی کتاب "سراپردۂ افلاک" مطالعہ کر رہا تھا۔ اس میں مجھے شاعر مشرق علامہ اقبال کی ایک نعتیہ نظم نظر آئی جس میں علامہ نے بھی لفظ عبدہٗ سے مضمون آفرینی کی ہے، ملاحظہ ہو۔

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است
عبدہٗ از فہم تو بالاتر است
زانکہ او ہم آدم وہم جوہر است
جوہر او نے عرب نے عجم است
آدم است و ہم زاد آدم اقدام است
عبدہ صورت گر تقدیر ہا
اندرو ویرانھا تعمیر ھا
عبدہ ہم جانفزا ہم جانستاں
ہم عبدہ ہم شیشہ ہم سنگ گراں
عبدہ دیگر عبدہ چیزے دیگر
ما سراپا انتظار او منتظر
عبدہ دہر است ودہراز عبدہ
ماہمہ رنگیم اوبے رنگ وبوست
عبدہ با ابتدا بے انتہا است
عبدہ را صبح و شام ما کجا است
کس ز سر عبدہ آگاہ نیست

عبدہ جز سر الا اللہ نیست
لا الٰہ تیغ و دم او عبدہ
ماش تر خواہی بگو ہو عبدہ
عبدہ چند و چگون کائنات
عبدہ رازِ درون کائنات......(۶)

اگرچہ شاعر مشرق علامہ اقبال نے بھی مضمون آفرینی میں انفرادیت کا ثبوت پیش کیا ھے۔ مگر حضرت رضا بریلوی اور شاعر مشرق کی مضمون آفرینی و مضمون بندی کے درمیان جو چیز امتیاز کی لکیر کھینچتی ہے وہ ہے حضرت رضا کی سحر طرزی، الفاظ کی ترتیب و سیٹنگ ان کا اپنے مقام و محل میں استعمال۔ ورنہ شاعر مشرق علامہ اقبال نے بھی "عبدہٗ" کی حقیقت و ماہیت اس کی تہہ بیان کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ھے۔

حضرت رضا بریلوی کی مضمون آفرینی اس نعت پاک کے علاوہ دوسری نعتوں اور قصیدوں میں بھی دیکھی جاسکتی ھے۔ موصوف کی شاعری کو فنی و ادبی کمالات کے کسی بھی زاویئے سے پرکھا جاسکتا ھے وہ اس پہ پوری طرح کامل و مکمل اترے گی۔ خود اسی نعت پاک کو لے لیجئے اس میں فنی و ادبی حیثیت کسی طرح کی کوئی کمی نہیں جبکہ شعر و شاعری آپ کا مشغلہ نہیں تھا۔ مولانا بدرالدین احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"آپ عام اربابِ سخن کی طرح صبح سے شام تک اشعار کی تیاری میں مصروف نہیں رہتے تھے بلکہ جب پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی اور عشق آپ کو بے تاب کرتا تو از خود زبان پر نعتیہ اشعار جاری ہو جاتے۔ اور پھر یہی اشعار آپ کی سوزشِ عشق کی تسکین کا سامان بن جاتے۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب سرکار اقدس ﷺ کی یاد تڑپاتی ہے تو میں نعتیہ اشعار سے بے قرار دل کو تسکین دیتا ہوں ورنہ شعر و سخن میر امذاق نہیں۔"......(۷)

جناب مولانا بدرالدین احمد صاحب کے اس پیراگراف کی تصدیق خود حضرت رضا بریلوی کے مشہور زمانہ قصیدہ "قصیدہ معراجیہ" کے مقطع سے بھی ہوتی ھے، فرماتے ہیں۔

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

بہ مقابل شاعر مشرق علامہ اقبال کے کہ ان کی پوری زندگی صرف شعر و شاعری میں گزری اس کے علاوہ آپ کی زندگی کا کوئی اہم کارنامہ نظر نہیں آتا۔ اور اگر ہے بھی تو صرف تھوڑا بہت سیاست میں مگر اس میں بھی ان کی دورخی پالیسی معلوم ہوتی ہے۔ جبکہ سیاسی نقطۂ نگاہ سے حضرت فاضل بریلوی اپنی جگہ یا اپنے موقف پر ثابت قدم نظر آتے ہیں۔ وقت اور حالات کا کوئی بھی نعرہ ان کے پائے ثبات کو متزلزل نہیں کر سکا۔ آپ نے سچ ہی فرمایا ہے۔

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اُٹھائے کیوں

کتابیات

۱۔ ماہنامہ "جہان رضا" شمارہ اگست مرکزی مجلس رضا لاہور صفحہ ۲۳/۲۲

۲۔ عین المعارف ۔دیوان حضرت آسی غازی پوری ۔ادارہ یادگار آسی غازی پوری کراچی ص ۲۶/۲۵

۳۔ فیروز اللغات۔ نوریم ایڈیشن۔ جے۔ ایس سنت سنگھ چوڑی والان دہلی ص ۶۳۸

۴۔ شرح بانگ دار۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی ص ۴۸

۵۔ حدائق بخشش۔ رضا اکیڈمی ممبئی ص ۱۵

۶۔ سراپردہ افلاک۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم۔ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور ص ۱۰۸

۷۔ سوانح اعلیٰ حضرت۔ مولانا بدرالدین احمد صاحب، مدرسہ اہل سنت گلشن رضا دھنباد بہار ص ۱۵۸

امام احمد رضا ــــ تصورِ عشق اور تصورِ فن

از : ڈاکٹر محمد امجد رضا خاں - پٹنہ

ہماری اردو شاعری کا مزاج اساسی طور پر عشقیہ ہے ولی سے میر، ذوق، مومن، غالب اور زمانۂ حال تک کے شعراء کے تصوّرِ فن پر عشق کی سحر کاری مسلّم رہی ہے۔ عشق ایک فطری امر ہے اور شاید ضرورت بھی۔ انسان پر بے حسی کا لاکھ غلبہ ہو مگر وہ قدرت کے اس حسین انعام سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ یہ لطیف جذبہ جب سر ابھارتا ہے تو حیات ایک نئی کروٹ لیتی ہے۔ ٹھہری ہوئی زندگی میں حرارت و تموج پیدا ہوتا ہے، مر کے جینے کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں اور زندگی بے ثبات کو حیات ابدی کا سراغ مل جاتا ہے۔ ہر لمحہ دل میں امنگ، آنکھوں میں تجسس، سینے میں خلش، کچھ پانے کا جذبہ اور کچھ کھونے کی تمنا...... بڑی مصروف زندگی ہوتی ہے عشق کے ماروں کی۔ مگر بقول غالب ؎

رونق ہستی ہے عشق خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

آیئے پہلے عشق کی تہوں میں جھانک کر دیکھیں کہ عشق کی حقیقت کیا ہے اور اس کے محرکات کیا ہیں۔ حضرت شیخ فرید الدین عطار نے تکمیلِ عشق کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایک شب کچھ پروانے ایک جگہ اکٹھا ہوئے، اپنے دلوں میں شمع سے ہمکنار ہونے کی آرزو لئے ہوئے، تب ان میں سے ایک پروانہ شمع کی تلاش میں اڑا اس نے دور سے شمع کو جلتے ہوئے دیکھا، واپس آیا، اور دوسرے پروانے کے سامنے شمع کے بارے میں بڑی دانشمندی سے باتیں کرنے لگا۔ مگر پروانوں میں سے سب سے عقلمند پروانے نے کہا "یہ پروانہ ہمیں شمع کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" تب ایک پروانہ اور اڑا، وہ شمع کے اس قدر قریب چلا گیا کہ اس کے پروں نے شمع کے شعلے کو چھو لیا مگر تپش اتنی زیادہ تھی کہ وہ اس کی تاب نہ لا سکا اور واپس آگیا، واپس آکر اس نے بھی شمع کے اسرار پر سے پردہ اٹھایا اور بتایا کہ شمع سے وصال کی کیا نوعیت ہوتی ہے۔ مگر عقلمند پروانے نے کہا "تمہارا تجربہ بھی اتنا ہی بیکار ہے جتنا تمہارے ساتھی کا"۔ تب تیسرا پروانہ اڑا اور اس پروانے نے جاتے ہی خود کو شمع کے حوالے کر دیا پھر جب وہ شعلے سے ہمکنار ہو گیا تو شمع کی طرح ہی لو دینے لگا، عقلمند پروانے نے دیکھا کہ شمع نے پروانہ کو خود میں جذب کر لیا ہے تو اس نے کہا "اس پروانے نے عشق کی تکمیل کر دی ہے لیکن اس تجربہ کو صرف وہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جان سکتا۔"......[1]

اس تمثیل پر ڈاکٹر وزیر آغا نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

"تصوف میں عشق کا سفر پروانے کے سفر سے مماثل ہے جو شمع کی روشنی کی ایک جھلک پانے پر شروع ہوتا ہے اور اس لمحہ اپنے انجام کو پہنچتا ہے جب پروانہ خود کو شمع کی روشنی کی آگ میں جلا کر روشنی میں تبدیل کر دیتا ہے"......۲ـ

گویا بقول بزرگے۔ العشق نار یحرق ماسری المعشوق......۳ـ

اسی حقیقت کو حضرت منصور حلاج نے یوں بیان کیا :

"محبت کی ابتدا جلنا ہے اور انتہا قتل ہو جانا"......۴ـ

انوری نے عاشقی کی تعریف اپنے اشعار میں یوں کی ہے :

عاشقی چیست مبتلا بودن　　　　ہدف ناوک قضا بودن

ہمہ معشوق چوں بہ ہست بہ پائے　　　　از ہمہ ہمہ ہار ہا بودن......۵ـ

مگر ولی دکنی کا نظریۂ عشق کتنا پاکیزہ ہے :

عشق خونیں سے جو کیا ہے وضو　　　　مذہب عشق میں نمازی ہے

پاکبازوں سے یہ ہوا معلوم　　　　عشق مضمون پاکبازی ہے......۶ـ

حقیقت یہ ہے کہ کارگاہ عالم کی ساری رونقیں عشق ہی کے دم سے قائم ہیں اگر عشق نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا اور عشق نہ ہو تو کچھ نہ ہو۔ عشق ہی محبت "کنزاً مخفیاً" کی تفسیر بن کر کائنات کی شکل میں ظہور پزیر ہوا۔ اس لئے قدرت نے ہر شئی میں اس پاکیزہ قوت کو کارفرما رکھا ہے۔

پروفیسر طلحہ رضوی برق نے لکھا ہے :

"سائنٹیفک طور پر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ عشق وہ کشش ہے جو مادہ میں موجود ہے اور جس کی بدولت دنیا کا نظام بدستور قائم ہے"......۷ـ

خلاق کائنات نے بھی اپنے محبوب علیہ التحیہ والتسلیم سے محبت فرمائی ہے۔ ذرا قرآن مقدس میں محبوب کا ذکر جمیل اور اظہار محبت کا اسلوب ملاحظہ کیجئے :

لا أقسم بهذا البلد وانت حل بهذالبلد ۔ (محبوب کے شہر محبت کی قسم)

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ ۔ (محبوب کے سفر لامکاں اور رفتار کا ذکر جمیل)

یداللہ فوق ایدیھم۔ (محبوب کے ہاتھوں کو محبت میں اپنا ہاتھ کہنے کا واقعہ)

وما رمیت اذا رمیت ۔ (محبوب کے عمل کو اپنا عمل کہنے کی بات)

والضحیٰ واللیل اذاسجی ۔ (محبوب کے چہرہ زیبا کی یاد اور زلف پیچاں کا تذکرہ)

گویا یہ پاکیزہ روایت جو عملی طور پر ہم تک پہونچی ہے اس کی بنیاد ہی تقدس وطہارت اور شیفتگی و لطافت پر ہے۔ پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عشق عبادت ہے اگر اسے برتا جائے اور یہی سب کچھ ہے اگر اسے سمجھائے۔ یہی وجہ ہے کہ عشق و عقل کے تصادم میں جہاں عقل سپر ڈال دیتی ہے وہیں عشق کی مہمیزی قوت بڑے بڑے معرکے سر کرلیتی ہے۔ عقل ضابطے کی پابند ہے اسے کانٹوں میں چبھن، انگاروں میں سوزش، درد میں اضطراب اور ہجر میں تڑپ کا احساس ہوتا ہے مگر عشق کا انداز نرالا ہے انگارے اس کے لئے پھول بن جاتے ہیں اسے پھولوں کی بو محسوس ہوتی ہے اضطراب میں طمانیت کا مزا ملتا ہے اور تڑپ میں سکون کا احساس...... عاشقِ زخم خوردہ کے لئے زخموں کی ٹیس بھی مرہم ہے مگر عقل کے لئے آہ آہ اور ہائے ہائے کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے عاشق کے زخم اندمال کی آہیں نہیں بھرتے اور نہ منت کش دوا ہوتے ہیں۔ غالب نے کہا ؎

درد منت کش دوا نہ ہوا　　　میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

عشق کے زخموں کا اعجاز ہے کہ بڑھتے بڑھتے خود ہی دوا ہو جاتا ہے اس کے چاک زخموں کو رفو کی حاجت نہیں ہوتی۔ غالب کہتے ہیں ؎

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا　　　درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

اور جب عشق اپنے انتہا کو پہنچتا ہے تو اسے قتل گہہ جاناں تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے اور یہی عشق کی معراج ہے ؎

عشرت قتل گر اہل تمنامت پوچھ　　　عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

غزل کا بنیادی سرمایہ چوں کہ عشق ہے۔ یہ عشق خود بیں اور خدا نما جتنا شدید ہوگا غزل کی معنویت اتنی ہی پر کشش اور اثر انگیز ہوگی۔ شاعر کا فکری رجحان معشوقِ مجازی کی طرف ہو یا محبوبِ حقیقی کی طرف۔ اگر اس میں عشق کا سوز و گداز اور جذبِ دروں کی کیفیت کا فی ووافی ہو تو وہ فوراً دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کامیاب غزل وہی ہے جس میں انگیز بھی ہو مہمیز بھی اور نفوذ بھی۔

فارسی سے لیکر اردو تک ایسے شعراء کی کمی نہیں جنھوں نے عشق کو صرف پڑھا اور دور سے مشاہدہ ہی نہیں کیا ہے بلکہ اس بحر بیکراں میں اتر کر بھی دیکھا ہے۔ چشم گریاں اور دل بریاں کے گوہر بھی

پائے ہیں اور دلِ مبتلا کو زخم و غم کے داغوں سے سجایا بھی ہے۔ اسی لئے ان کی شاعری میں درد کا سورج چمکتا ہے، زخموں کے گلاب مہکتے ہیں اور داغِ دل کا باغ بہاروں کو شرماتا ہے۔

فارسی شعراء میں حافظ شیرازی، شیخ سعدی، فردوسی، نظری اور نظامی کا مقام اس حیثیت سے بہت بلند ہے کہ ان کے یہاں عشق اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہے۔ غزل کے پردہ میں حسن ازل کی بات کہنا ان کے یہاں عام و تام ہے۔ یہ ثقہ حضرات ہیں جہاں طریقت سے آشنائی، شریعت کا پاس اور تصوفانہ مزاج ہم آہنگ نظر آتا ہے انہوں نے جذبات کے اظہار میں صداقت سے کام لیا ہے۔ اس لئے ان کی شاعری رندی و سرمستی کے باوصف حائق سے قریب تر ہے۔ بزمِ تصوف کے رندان قدح خوار کے لئے ان کے اشعار بادۂ عرفاں کی حیثیت سے آج بھی مسلم ہیں۔

شاعر جب تک عینی مشاہدہ اور ذاتی تجربہ کی آنچ سے اپنی فکر کو روشن نہیں کرتا ہے اس کی شاعری تاثیر سے محروم ہوتی ہے۔ ہماری اردو شاعری میں میر، غالب اور اقبال بڑے خوش قسمت شاعر ہیں جنہیں اردو شاعری کی ارواحِ ثلثہ کہا جاتا ہے۔ ان کے یہاں تصور عشق کا جو رجحان ملتا ہے دراصل وہ ذاتی تجربہ کا بولتا عکس ہے۔ خارجیت و داخلیت دونوں پہلوؤں میں ان کے احساسات کی کرچیاں ہمیں ان کے صحیفۂ عشق اور دیوانِ غم کا مکمل عرفان بخشتی ہیں۔

اب آیئے ذرا اسی عشق کے تناظر میں اقبال کے ہمعصر شاعر امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی شاعری پر اور ان کے تصورِ فن پر ایک نظر ڈالیں۔

امام احمد رضا کے یہاں عشق کا ایک توانا تصور ہے جس کے سب رنگ جلوے ہمیں ان کی حیات کے گوشہ گوشہ میں نظر آتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ضمیر کی آواز لفظوں کا لبادہ اوڑھ کر جب درِ دل پر دستک دیتی ہے تو قاری و سامع اپنے اندر وہی کچھ درد، سوز، تڑپ اور اضطراب محسوس کرتا ہے جو شاعر کے دل پر گذر چکی ہوتی ہے۔

حضرت رضا بریلوی کی غزلیات کو پڑھ کر ان کی اس کیفیت کو پرکھا جاسکتا ہے جس کا ہر شعر قرآنی عشق کی تفسیر، لفظ لفظ حدیث محبت کا سرچشمہ اور حرف حرف واردات و الہام کا عکاس ہے۔ آپ کی زندگی کا مشن ہی تحریک عشق تھا۔ اس لئے مادیت سے روحانیت تمام امور میں عشق ہی کو آپ نے اپنا مقتدا بنایا اور اس کی رہبری میں تمام مقدمات فیصل کئے۔ آپ کے وجود پر عشق کا غلبہ تھا اس لئے آپ کے ہر عمل سے عشق کی تابناکی ہویدا تھی۔

مفتی محمود صاحب نے ان کے عشق کی پیکر تراشی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ان کی نگاہ اٹھتی تو اس میں جلوۂ حضور کی زیبائی نظر آتی اور جب جھکتی تو ان کے عشق سے سر شار رہتی۔ وہ چلتے تو عشقِ رسول اور اتباعِ سرورِ کائنات کا پیکر جمیل دکھائی پڑتے اور سوتے تو نامِ نامی کی لفظی تصویر بن جاتے۔ ان کا رہوارِ قلم چلتا تو ناموسِ رسول کی پاسداری میں چلتا، ان کے لب ہائے مبارک کھلتے تو زمزمہ نعت الاپتے۔"

جس طرح اقبال نے "اسرارِ خودی" سے "جاوید نامہ" تک کا روحانی اور ادبی سفر عشق کی رہبری میں طے کیا تھا۔ امام احمد رضا نے بھی انیسویں صدی کے اواخر سے ۱۹۲۱ء تک کا علمی اور شعری سفر اسی عشق کی ہم رکابی میں مکمل کیا۔ آپ کا یہ وصف ایک ایسا اعجاز ہے جس نے اربابِ فکر و نظر کو مسحور کر رکھا ہے۔ ان کے عشق کا معیار و اقدار دیکھنے کے لئے عشقِ رضا کا یہ اختتامیہ ملاحظہ کیجئے۔ ایک شامی بزرگ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ کو میری قسمت بیدار ہوئی۔ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے۔ میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا "فداک ابی و امی" کس کا انتظار ہے ارشاد فرمایا، احمد رضا کا انتظار ہے۔ میں نے عرض کیا، احمد رضا کون ہیں۔ فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔"

بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا بڑے جلیل القدر عالم ہیں اور بقیہ حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا میں ہندوستان آیا، بریلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہوگیا اور وہی ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ ان کی تاریخ وصال تھی۔"......۸۔

یہ عشقِ صادق کا کرشمہ تھا جس نے ان کے جذبات کو اس حسین مرکز پر سمیٹ دیا تھا گویا عشق اپنے تکمیلِ سفر پر وہ سب کچھ دے گیا جو ایک ٹوٹے ہوئے دل کی تمنا ہو سکتی ہے۔ حسن و عشق کی یہ دلربائی اردو شاعری میں حضرت رضا بریلوی کا طرۂ امتیاز اور وجہِ افتخار ہے۔

آپ کی غزلوں میں جو غلوئے فکر اور معنویت کی پُرکاری ہے وہ اسی دردِ دل اور اضطرابی کیفیت کا ترجمان ہے۔ آپ کچھ کہتے نہیں تھے بلکہ جذبات خود ہی اشعار کے قالب میں ڈھل جاتے تھے اس لئے آپ کی غزلوں میں آمد آمد کی کیفیات ہیں جو ہمیں بھی تڑپنے، سلگنے، جلنے اور مچلنے پہ انگیز کرتی ہیں۔ چند

اشعار ملاحظہ کیجئے:

خراب حال کیا دل کو پر ملال کیا
تمہارے کوچہ سے رخصت نے کیا نہال کیا
نہ روئے گل ابھی دیکھا نہ بوئے گل سونگھی
قضا نے لا کے قفس میں شکستہ بال کیا
تو نے تو کر دیا طبیب آتش سینہ کا علاج
آج کے درد آہ میں بوئے کباب آئی کیوں
دل میں جو چوٹ تھی دبی ہائے غضب ابھی گئی
پوچھو تو آہِ سرد سے ٹھنڈی ہوا چلائی کیوں
کب سے پھیلائے ہیں دامنِ تیغ عشق
اب تو پائیں زخم دامن دار ہم
قسمت ثور و حرا کی حرص ہے
چاہتے ہیں دل میں گہرا غار ہم
فصل گل، سبزہ، صبا، مستی، شباب
چھوڑیں کس دل سے درِ خمار ہم
جو ہوں پر ہے بہار چمن آرائی دوست
خلد کا نام نہ لے بلبل شیدائی دوست
مرنے والوں کو یہاں ملتی ہے عمر جاوید
زندہ چھوڑے گی کسی کو نہ مسیحائی دوست
نارِ دوزخ کو چمن کردے بہارِ عارض
ظلمت حشر کو دن کردے بہارِ عارض
آہ بے مائیگی دل کہ رضائے محتاج
لے کر اک جان چلا بہر نثار عارض
تاب مرأت سحر گرد بیابانِ عرب
غازہ روئے قمر دودِ چراغانِ عرب
کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفستاں ہے ہر اک گوشہ کنعانِ عرب
حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام مردانِ عرب

اقبال نے کہا تھا کہ مسلمان اگر عشق نبی ﷺ سے سرشار ہو کر زندگی کے راستے پر گامزن نہیں ہو سکتا تو پھر اس کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ دامنِ ابراہیم سے اپنا رشتہ منقطع کرے اور کافر کی موت مرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

اگر باور نداری آنچہ من گفتم
زدیں بگر نیرو مرد کافر میسر

امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا
انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

امام احمد رضا نے عشق کو اساسِ ایمان قرار دیا اور اسے ظلمت کدۂ لحد کا چراغ بنا کر ساتھ لے گئے

لحد میں عشقِ شہ رخ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

حوالہ جات

(۱) کتاب نما (ماہنامہ) شمارہ جنوری ۱۹۸۴ء　　(۲) کتاب نما (ماہنامہ) شمارہ جنوری ۱۹۸۴ء

(۳) ضیاء تصوف۔ مفتی عبدالواجد قادری　　(۴) مکاشفۃ القلوب۔ امام غزالی

(۵) حوالہ غور و فکر۔ پروفیسر طلحہ رضوی برق　　(۶) ایضاً

(۷) ایضاً　　(۸) مکتوب امام احمد رضا

ــــواقعہ کی سند کے لئے ماہنامہ "پاسبان" الہ آباد شمارہ نومبر دسمبر ۱۹۵۵ء ملاحظہ کریں۔

(۹) تحقیقات۔ مفتی محمد شریف الحق امجدی

بقیہ: مرکز اربابِ دانش زندہ باد

"سب ٹھیک ٹھاک ہے ہمارا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ یہ وہابڑے، دیو کے بندے، شیخ نجدی کے چیلے ہمارے سامنے کیا ٹکتے ہیں انھیں تو ہم ذرا میں جلا کر راکھ کر دیں گے۔ ہمارے اعلیٰ حضرت کی بڑی شان تھی انھوں نے شیخ نجدی کا سر کاٹ کر رکھدیا۔ خنجر اعلیٰ حضرت پر لاکھوں سلام.......... مگر کوئی بہادر خنجر اعلیٰ حضرت کو سامنے لانے کی جرأت نہیں کر پا رہا تھا۔ ٹھیک ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا خنجر خونخوار برق بار موجود تھا مگر چلانے والے کمیاب۔ بس یہ سب روح فرسا منظر دیکھ کر حکیم صاحب تڑپ اٹھے اور عزم و استقلال کا پہاڑ بنکر سنیت و رضویات کی اشاعت میں جٹ گئے اور قلمکاروں کو اس جانب مائل کرنے کا بیڑا اٹھایا گویا کہ ایک عالم گیر تحریک چلائی جس نے اہلسنت کے اندر روح پھونک دی نتیجتاً تیزی کے ساتھ اشاعتی ادارے، مصنف، محقق وجود میں آنے لگے اور دنیا یہ کہنے پر مجبور ہو گئی!

ــــ جادہ پیما ہے پھر کاروانِ رضا

حکیم صاحب کا یہی وہ وصف خاص ہے کہ جس نے ان کی اہل سنت میں ایک امتیازی شناخت بنائی۔ اگر محقق یہ کہنے میں حق جانب ہیں کہ حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی "ماہر رضویات" ہیں تو میں کہنے میں حق جانب ہوں کہ حضرت حکیم صاحب "محرک رضویات" "محسنِ محققین اور رئیس الناشرین ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر ان جیسے مخلص حضرات ہم میں پیدا ہوتے رہیں۔ آمین!

بیسوی صدی امتحان عشق رسول ﷺ کی صدی

سید عبدالرحمٰن بخاری

ایسوسی ایٹ پروفیسر انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

بیسویں صدی...... انسانی تاریخ کا شاید سب سے ہنگامہ خیز زمانہ...... اپنی آغوش میں بیک وقت فساد اور تعمیر کے متضاد عناصر لئے...... ریڈیو، ٹیلیویژن، ہوائی جہاز اور کمپیوٹر کے ساتھ ساتھ نوع انسانی کو دو عالمگیر جنگوں کا تحفہ دینے والی صدی...... عروج اور زوال کی دونوں انتہاؤں کو چھوتی ہوئی...... بحر و بر کی حکمرانی سے لیکر چاند ستاروں کی تسخیر تک اور برقی قلب نگاری (ای۔ سی۔ جی) سے لے کر کلوننگ تک میڈیکل سائنس کی ترقی کے باوجود ہیروشیما اور ناگاساکی کے دھواں دھواں منظر آج بھی نسل آدم کو لہو رلا رہے ہیں...... کوانٹم (Quantum The-ory) اور اضافیت (Theory of Relativity) کے مادیت شکن نظریات کی کوکھ سے جہاں وحدت کائنات (Unification of Physics) اور زندگی کی روحانی تعبیر (Spiritual Interpretation of Life) کا امکان ابھرا ہے وہیں لمحوں میں پوری کائنات کو تباہ کر دینے والے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم نے بھی جنم لیا ہے۔

ایک طرف ولیم جیمز اور برگساں ہیں جو عقلیت پرستی کے مقابلے میں انسان کے تحت الشعور اور وجدان کے جلوے دکھا رہے ہیں اور دوسری طرف فرائڈ اور میکوڈگل ہیں جو آدم کی اولاد کو جنس (Sex) اور حیوانی جبلت (Instinct) کا غلام بنا رہے ہیں۔ ایک طرف یہ صدی خدا کے اقرار اور مذہب کی طرف رجوع کی صدی ہے...... تو دوسری طرف ژاں پال سارتر کی وجودیت (Existentialism) اور ہیگل و مارکس کی جدلیاتی مادیت سے پھوٹنے والے کمیونسٹ انقلاب کی نفس پرستی اور مذہب بیزاری بھی ہے۔ غرض یہ ایک عجیب تضاد اور کشمکش کی صدی ہے۔ لیگ آف نیشنز (League of Nations) اور انجمن اقوام متحدہ (U.N.O.) کے پلیٹ فارم سے عالمی امن، انسانی حقوق اور خدمت خلق کے بلند بانگ نعرے بھی ہیں اور کشمیر، فلسطین، چیچنیا، بوسنیا اور نہ جانے کہاں کہاں امریکہ، برطانیہ، روس اور فرانس جیسے عالمی غنڈوں کی سفاکی، بربریت اور انسان دشمنی کے ہولناک مناظر بھی اس صدی کی آخری سانسوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اگر انسان نے کبھی یہ سوچا کہ بیسویں صدی نے اسے کیا دیا ہے تو خوشی اور غم، نوحے اور جشن، امید اور مایوسی، غلامی اور آزادی، زندگی اور موت نہ جانے کیا کیا رنگ ہوں گے جو احساس کے کینوس (Canvas) پر گڈ مڈ ہو جائیں گے۔ بیسویں صدی...... ماتم بھی ہے اور مسرت بھی...... ترقی بھی ہے اور تنزل بھی...... تعمیر بھی ہے اور تخریب بھی...... امن بھی ہے اور جنگ بھی...... عداوت بھی ہے اور محبت بھی...... اس میں گلابوں کی مہک بھی ہے اور کانٹوں کی چبھن بھی...... صنعتی انقلاب بھی ہے اور آلودگی کا زہر بھی...... آسائشوں کی فراوانی بھی ہے اور

بہیمیت کی طغیانی بھی...... سمٹتے ہوئے کائناتی فاصلے بھی ہیں اور بڑھتے ہوئے نفرتوں کے زاویے بھی...... چاند کی مٹی روندتے ہوئے قدم بھی ہیں اور پتھر کی مورتیوں کے آگے جھکی ہوئی پیشانیاں بھی...... رنگارنگ اجالوں سے جگمگاتی بستیاں بھی ہیں اور تہہ در تہہ اندھیروں میں ڈوبے مکینوں کے دل بھی...... علم ودانش کی فلک پیمائی بھی ہے اور جمال خرد کی نارسائی بھی۔ کیا کہیں...... بس ایک تحیر ہے جو بیسویں صدی کا حاصل ہے۔ اور ایک اضطراب ہے جو اس کے ہر منظر پہ چھارہا ہے اور جسے بیسویں صدی کے ایک عظیم سپوت حکیم مشرق علامہ اقبال نے ان لفظوں کا روپ دیا ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

دیکھئے حکیم مشرق نے کتنی صحیح اور کیسی عمدہ نقشہ کشی کی ہے بیسویں صدی کے انسان کی۔ اس کی کامیابیوں اور محرومیوں کو کس طرح پہلو بہ پہلو دکھایا ہے اور اس صدی کے تضاد کو کتنے خوبصورت پیرائے میں اجاگر کیا ہے۔ مگر یہ تو بات تھی پوری نوع انسانی کی...... جب باری آئی بیسویں صدی کے مسلمان کی...... تو اس کے تحیر، اضطراب اور محرومی کا ایک اور ہی عالم دکھایا ہے علامہ اقبال نے۔ بیسویں صدی کے دجل وفریب، مکروسازش اور فتنہ وآزار کی تمام پرتیں کھول کر دکھادی ہیں اس دیدہ ور حکیم نے...... سنئے اور دیکھئے کہ وقت کے اس نباض نے امت مسلمہ کے حوالے سے بیسویں صدی کے اضطراب اور المیہ کو کس رنگ میں ابھارا ہے۔ فرماتے ہیں!

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے — مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اور جس عشق کی آگ حکیم مشرق کو بجھی ہوئی محسوس ہورہی ہے وہ عشق کون سا ہے؟...... خود اقبال ہی کے الفاظ میں: عصر ما، مار از ما بیگانہ کرد — از جمال مصطفیٰ بیگانہ کرد

ابلیس کے ترکش کا آخری تیر :-

جمال مصطفیٰ ﷺ سے اہل ایمان کو بیگانہ کرنے کی سازش کہاں سے پھوٹی، اور کیسے پروان چڑھی، یہ عالم آشکار ہے۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام دشمن قوتیں جب تاریخ کے مختلف ادوار میں دین حق کو مٹانے کیلئے اپنے سب حربے آزما چکیں...... لیکن اسلام مٹنے کی بجائے مزید ابھرتا گیا...... سکڑنے کی بجائے اور پھیلتا گیا ...... دبنے کی بجائے سب پر حاوی ہوتا گیا۔ دیکھو مدعیان نبوت ابھرے اور دم توڑ گئے...... مرتدین بھاگے اور مٹ گئے یا لوٹ آئے...... سبائی، فتنے لے کر اٹھے اور خود بھی فتنوں سمیت معدوم ہوگئے...... خارجی بگڑے اور لڑلڑ کر ختم ہوگئے...... یورپ کے صلیبی لشکر ناچتے ہوئے آئے اور صدیوں تک آتے رہے لیکن مجاہدین اسلام کے

گھوڑوں کی اڑائی ہوئی گرد میں ڈوب گئے...... تاتاری صحرائے گوبی سے اٹھے اور آندھی بگولے کی طرح ہر سو چھا گئے...... مگر جب وہ اہل اسلام کی کھوپڑیوں کے مینار بنا چکے...... تو ایک دم پلٹے اور سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہو کر کعبہ کی دہلیز پر جھک گئے...... پھر اسی اقبال سے سنئے......

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے　　　پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

تاریخ کے یہ سب ادوار جب دشمن دیکھ اور بھگت چکا...... تو اس نے فیصلہ کیا کہ اب اپنے ترکش کا آخری تیر چلا دینا چاہئے تاکہ امت مسلمہ کا سینہ ایسا گھائل ہو کہ پھر یہ زخم مٹ نہ سکے۔ یہ تیر کون سا تھا......اور یہ کس زہر ہلاہل میں بجھا ہوا تھا؟ اس کا رمز شناس بھی دانائے عصر علامہ اقبال ہی ہے۔ وہ بیسویں صدی میں استعمار کی حکمرانی کا راز فاش کر رہا ہے اور ابلیس کا اپنے فرزندوں کے نام سب سے بڑا حکم سنوار رہا ہے۔ لیجئے سنئے !! ابلیس کا سب سے بڑا حکم کیا تھا؟

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا　　　روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

یہ حکم بیسویں صدی کے آغاز میں جاری ہوا...... اور پھر شیطان کی ذریت اس آخری مشن کی تکمیل میں لگ گئی۔ تاریخ انسانی کا یہ سب سے بھیانک مشن کیوں اور کیسے شروع کیا گیا؟ اس کے محرکات اور اسباب و عوامل کیا تھے؟ اس کے پس پردہ کار فرما قوتیں کون کون سی تھیں۔ کون کون آلہ کار بنے؟ تکمیل مشن کے وسائل و ذرائع کیا تھے؟ اس کیلئے تدابیر کون سی اختیار کی گئیں؟ اس کے زہریلے اثرات کہاں کہاں اور کیوں کر پھیلے؟ یہ سب سوالات ایسے ہیں جن پر تفصیل سے گفتگو ہونی چاہیے مگر یہاں ایک مضمون میں ایسا ممکن نہیں۔ تاہم اشاروں پر اکتفا کرتے ہوئے میں آگے بڑھوں گا۔

صلیبی جنگوں کا تسلسل :-

یہودیت اور عیسائیت اسلام سے پہلے دنیا میں موجود تھیں۔ عیسائیت روم کو فتح کر کے بڑی تیزی سے آگے بڑھتی اور پھیلتی جا رہی تھی اور قریب تھا کہ مشرق و مغرب کی پوری دنیائے معلوم پر آندھی و طوفان کی طرح چھا جاتی...... کہ اچانک فاران کی چوٹیوں سے خدا کا آخری پیغام نوع انسانی کے نام گونجا اور دیکھتے ہی دیکھتے خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ﷺ کی رسالت کے جلوے ہر سو پھیل گئے...... عیسائیت جو کہ پہلے بے روک ٹوک آگے بڑھ رہی تھی اس کے قدم رک گئے...... اور تثلیث کے فرزند ہر محاذ پر پسپا ہونے لگے۔ اسلام کے لشکر تازہ دم تھے اور مسیحیت کی فوج ناکارہ دم گرفتہ...... اسلام کی توانائی نور ازل سے فیضیاب تھی اور کلیسا کی قوت اندھیروں میں کھوئی ہوئی۔ اسلام کی تہذیب، نشاط و ولولہ اور تازگی و رعنائی لئے ہوئے تھی اور مسیحی کلچر فرسودہ و از کار رفتہ...... اسلام ایک عالمگیر رحمت کا دھارا تھا اور عیسائیت ایک ٹھہرے ہوئے پانی کا جوہڑ...... اسلام کا اسلحہ جدت اور ندرت کا شاہکار تھا اور مسیحیت کے سب ہتھیار کند ہو چکے تھے۔ ایسے میں بھلا عیسائیت اسلام کے مقابلے میں

کہاں ٹھہر سکتی تھی۔ چنانچہ نہ صرف عیسائیت کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے بلکہ اسے ذلت اور رسوائی کے ساتھ ہزیمت اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ اور یہیں سے ایک انتقام کی آگ عیسائیت کے سینے میں بھڑک اٹھی جس نے کلیسا کے ہر فرزند کو شعلہ بنا دیا۔ تثلیث کے پجاری پھر کبھی اسلام کو برداشت نہ کر سکے اور جیسے ہی انہیں سنبھلنے کا موقع ملا صلیبی انتقام کے پرچم اٹھائے عالم اسلام پر چڑھ دوڑے...... کئی سو سال تک یورپ کے وحشی درندے اسلام کو مٹانے کیلئے اپنے خونی پنجے پھیلائے ناچتے ہوئے آتے رہے اور زخمی ہو کر اپنا ہی خون چاٹتے ہوئے دم دبا کر بھاگتے رہے۔ لیکن جیسے ہی یورپ ذلت و رسوائی کا آخری زخم چاٹ کر ٹھنڈا ہوا مسلمانوں کے لشکر بھی زرہ بکتر اتار کر سستانے لگے۔ اور یہی وہ لمحۂ غفلت تھا جب مسلمانوں کی آنکھوں سے ان کی منزل او جھل ہو گئی۔ وہ سمجھے کہ کفر دم توڑ گیا ہے اور اہل ایمان آخری فتح سے ہمکنار ہو چکے ہیں...... مگر یہی ان کی غلطی تھی۔ کفر اور وہ بھی تین خداؤں کا پجاری کب ہار ماننے والا تھا۔ چنانچہ مسلمان فتح کی آغوش میں سوئے رہے اور تثلیث کے وحشی درندے اپنے پنجے تیز کرتے رہے۔ تاآنکہ بیسویں صدی میں انہوں نے اپنا پینترا بدلا......اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر محاذ پر اہل ایمان کو للکارنے لگے۔

ایک طرف فلسفہ اور سائنس کا محاذ تھا جہاں ڈارون بندر کی اولاد بنے سب آدم کے بچوں کو اپنی طرف بلا رہا تھا اور اسکے ساتھی خدا کی موت کا اعلان کر رہے تھے (معاذ اللہ)...... دوسری طرف نفسیات اور اخلاق کا محاذ تھا جہاں فرائڈ جنس کا پجاری بنے سب اخلاق کے فرزانوں کو ہوس پرستی کی راہ دکھا رہا تھا...... تیسری طرف معاشیات و عمرانیات کا محاذ تھا جہاں کارل مارکس دولت کی دیوی کے چرنوں میں سجدہ ریز پوری دنیا کو اسی آستاں پر جھکا رہا تھا۔ یوں فلسفہ اور سائنس سے لے کر معیشت اور اخلاق کے سب دائروں تک ہر سو مادیت کا بسیرا تھا۔ اور مذہب و روحانیت کے سب پاکیزہ چشمے گدلانے لگے تھے۔ چونکہ مذہب و روحانیت کا حقیقی علمبردار اس عہد میں صرف اسلام ہے...... اس لئے مادیت (Materialism) کی سب سے پہلی اور براہ راست، سب سے بڑی اور آخری زد صرف اور صرف اسلام ہی پر پڑی۔

عیسائیت کی اسلام پر یلغار علم و فکر کے ان محاذوں تک محدود نہیں رہی بلکہ سپاہ و لشکر کے تازہ حملے عسکری محاذ پر اس چابک دستی سے پھیلنے لگے کہ یورپی استعمار کے ہر اول دستے ہر اسلامی خطے میں آبراجے۔ تثلیث کی منافقانہ سرگرمیاں اس قدر گہری اور خفیہ سازشوں پر استوار تھیں کہ 1914ء میں پہلی عالمگیر جنگ کے شعلوں نے عثمانی خلافت کو اپنی آغوش میں لے لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جلا کر راکھ کر دیا پھر اس راکھ کے ڈھیر پر کھڑے ہو کر صلیبی درندوں کے لشکر ابلیس کی ذریت سے ہم آغوش ہو کر ناچنے اور چلانے لگے کہ آہا! آج ہم نے صلیبی جنگوں میں ناکامی کا انتقام لے لیا۔ چنانچہ جب فرانسیسی جرنیل غورو ملک شام کو فتح کرتا ہوا دمشق پہنچا تو فوراً مجاہد اسلام صلاح الدین ایوبی کی قبر پر آیا اور اپنے پاؤں سے ٹھوکر مارتے ہوئے چلانے لگا!

"او صلاح الدین! اٹھ اور دیکھ کہ ہم اپنی شکستوں کا بدلہ لے چکے ہیں اور تیری سرزمین پر بطور فاتح لوٹ

آئے ہیں" (القومیہ والغزو الفکری ص ۸۴)

اسی طرح جب برطانوی جرنیل لبنی نے بیت المقدس پر حملہ کیا تو یورپ نے اسے آٹھواں صلیبی حملہ قرار دیا اور بیت المقدس کی فتح پر اسے صلیبی جنگوں کے فاتح کا لقب دیا۔ لو اے مسلمانو! دیکھ لو...... جرنیل لبنی فاتحانہ انداز میں بیت المقدس میں داخل ہو رہا ہے اور چیخ چیخ کر دھاڑ رہا ہے کہ "آج صلیبی جنگوں کا خاتمہ ہوا ہے"۔

لیکن سچ تو یہ ہے کہ صلیبی جنگوں کا خاتمہ بیت المقدس کی پاکیزہ فضاؤں میں تثلیث کے گندے نعرے گونجنے پر بھی نہیں ہوا بلکہ یہاں سے ان صلیبی جنگوں نے ایک نیا موڑ لیا اور وہ نیا موڑ کیا تھا...... آیئے! خود تثلیث کے وحشی پجاریوں سے پوچھتے ہیں۔

بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں امریکی پالیسیوں کی بنیادی فکر اور اس کا رخ متعین کرتے ہوئے مسٹر آئی یو جین روستو امریکی نائب وزیر خارجہ نے امور خارجہ کے منصوبہ بندی شعبے کے سربراہ کی حیثیت سے واضح اور دوٹوک الفاظ میں یہ بیان دیا!

"ہمیں یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ ہمارے (یورپ امریکہ) اور عرب اقوام کے اختلافات محض دو ریاستوں کے اختلافات نہیں ہیں بلکہ یہ صدیوں سے محیط اسلام اور عیسائیت کے مابین پائی جانے والی کشمکش کا نتیجہ ہیں۔ یہ کشمکش ہمیشہ ایک آتش فشاں لاوے کی طرح برقرار رہی ہے۔ اگرچہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے اسلام یورپی غلبے کے آگے سرنگوں ہو چکا ہے اور اسلامی تہذیب و ثقافت ہمارے مسیحی کلچر کے سامنے اپنا سر جھکا چکی ہے لیکن اسکے باوجود یہ کشمکش ختم نہیں ہوئی۔ لہٰذا امریکی منصوبہ بندیوں کی اصل بنیاد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمیں مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کو ہر قیمت پر جاری رکھنا چاہئے۔" (معرکۃ المصیر ص ۸۷۔ ۹۴)

آخر اسلام ہی مغرب کا واحد ہدف کیوں ؟ :-

سوال یہ ہے کہ آخر یورپ و امریکہ کی تمام پالیسیوں کا واحد ہدف (target) اسلام ہی کیوں ہے ؟ اور پہلی جنگ عظیم میں عثمانی خلافت کو مٹا کر اور تمام عالم اسلام کو صلیبی استعمار کے سازشی پنجوں میں جکڑ کر بھی یورپ نے سکون کا سانس کیوں نہیں لیا؟ اور آج بھی ہر محاذ پر اسلام ہی کے خلاف کیوں اپنی ساری طاغوتی قوتیں صرف کر رہا ہے۔ آخر وہ کون سا خوف ہے جو یورپ اور امریکہ کی نیندیں حرام کئے ہوئے ہے ؟ اور جس سے پوری صلیبی دنیا لرزہ براندام ہے۔ لیجئے خود انہی کی زبان سے سنئے۔ ایک شہرۂ آفاق مغربی محقق گارڈز لکھتا ہے :

"اسلام کے اندر وہ غیر معمولی قوت و طاقت پوشیدہ ہے جو یورپ کیلئے حقیقی اور اصلی خطرہ کی حیثیت رکھتی ہے"۔ (التبشیر ص ۳۹)

ایک اور عیسائی مبلغ اور یورپی نمائندہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے!

"اسلام ہی میں وہ غیر معمولی قوت اور توانائی پوشیدہ ہے جو سدِ سکندری کے طور پر ایک ناقابل تسخیر دیوار

بن کر فروغ عیسائیت کی راہ میں حائل ہے اور یہی وہ قوت ہے جس نے ان بے شمار ممالک کو جو کل تک عیسائی تھے، مسیحیت کی آغوش سے نکال کر اپنے اندر جذب کر لیا ہے۔" (جزور البلاء، ص ۱۲۰)

ایک یورپی دانشور اشعیا بومان نے "مجلۃ العالم الاسلامی التبشیر یہ میں اپنے ایک مقالے میں لکھا:

"یورپ کے لئے واجب ہے کہ وہ اسلام کو اپنے لئے خوف و خطرہ کا حقیقی سبب قرار دے کیونکہ اسلام اپنے آغاز سے لیکر آج تک مسلسل آگے بڑھ رہا ہے اور باقاعدگی کے ساتھ تمام براعظموں پر پھیلتا جا رہا ہے"۔ (لم هذا لرعب كله من الاسلام ص ۵۵)

مغرب کا ایک اور نامور محقق لارنس براؤن اسلام کی اس غیر معمولی طاقت اور اس میں پوشیدہ یورپ کیلئے سب سے بڑے خطرے کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتا ہے......

"ہمارے قائدین عوام کو کئی طرح کے خطرات سے ڈرایا کرتے تھے لیکن جب ہم نے گہرائی میں اتر کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ سارے خطرات اوہام و وساوس کے سوا کچھ نہ تھے۔ یورپ کیلئے نہ صیہونیت خطرہ ہے نہ جاپانیت اور نہ اشتراکیت بلکہ صرف اور صرف اسلام ہمارے لئے خطرہ ہے۔ ہماری تہذیب و ثقافت اور ہمارے استعمار کی راہ میں سب سے بڑی آہنی رکاوٹ اسلام ہی ہے کیونکہ تنہا اسی کے اندر آگے بڑھنے، پھیلنے، دوسری تہذیبوں کو اپنے اندر جذب کرنے اور اقوام عالم کے اذہان و قلوب کو اپنے لئے مسخر کرنے کی بدرجہ اتم استعداد و صلاحیت موجود ہے۔" (التبشير و الاستعمار ص ۱۴۸)

صرف عیسائیت ہی نہیں، بیسویں صدی کا سب سے بڑا فتنہ کمیونزم بھی اسلام اور تنہا اسلام ہی کو اپنے فروغ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ گردانتا ہے...... ازبکستان کی اشتراکی پارٹی نے اپنے روزنامہ "کیزیل ازبکستان" ۲۲ مئی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں اداریہ لکھا کہ:

"اسلام کو نیست و نابود کئے بغیر کمیونزم کیلئے تنہا ازبکستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں کہیں بھی جڑیں پکڑنا ناممکنات میں سے ہے۔" (الاسلام و التنميه الاقتصاديه ص ۵۶)

اس کی وجہ بھی روس کے ایک سابق وزیر اعظم خرد شچیف نے خود ہی بتا دی کہ:

"اسلام انقلابی عوام اور انقلابی اقوام کا دین ہے اور یہ اپنی انقلابیت کا ہمیشہ تحفظ کرتا رہے گا۔"

(القوميه والغز و الفكری ص ۸۸)

اسلام کی طاقت...... عشق رسول ﷺ:-

اسلام کی یہ انقلابیت کیا ہے جس میں اس کی تمام تر قوت کا راز پنہاں ہے اور جس کا وہ ہمیشہ تحفظ کرتا رہے گا...... اس کا ادراک خود دور حاضر کے مسلمانوں کو ہو یا نہ ہو، بیسویں صدی کا یورپ اور سارا عالم کفر اس سے اچھی طرح آگاہ تھا اور ہے...... لیجئے ایک امریکی یہودی پروفیسر ہرٹز (Hertz) جو فوجی امور کا بھی ماہر تھا، اس کی زبان

سے سن لیجئے......

"مسلمانوں اور بالخصوص پاکستانیوں کے دل رسول عربی ﷺ کی محبت سے بھرے ہوئے ہیں اور یہی وہ جذبہ ہے جو عالمی صیہونیت کیلئے سب سے بڑا خطرہ ہے اور جو اسرائیل کی توسیع کے راستہ میں ایک زبردست رکاوٹ ہے۔ لہذا یہودیوں کیلئے بہت ضروری ہے کہ وہ محمد ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کے اس جذبۂ محبت کے تمام وسیلوں کو کمزور تر کر دیں تبھی وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔" (الفلسطین بیروت، جنوری ۱۹۷۲)

چودہ سو سال گزر چکے مگر یہودیوں کے حواس پر آج بھی فاتح خیبر سید عالم ﷺ کا رعب مسلط ہے۔ جبھی تو اسرائیل کا ایک سابق وزیر اعظم بن گوریان لرزتی ٹانگوں، کپکپاتے جسم اور سہمی زبان سے یہ کہتا ہوا سنائی دیتا ہے کہ

"میں بڑی شدت سے ایک چیز کا خطرہ محسوس کرتا ہوں اور ہم میں سے کون ہے جو اس چیز کا خطرہ محسوس نہیں کرتا کہ اب نہ ہو کل کلاں کوئی عالم عرب یا عالم اسلام میں نیا محمد ظہور پذیر ہو جائے۔" (جریدہ الکفاح الاسلامی شمارہ اپریل دوسرا ہفتہ ۱۹۵۵ء)

دیکھا آپ نے...... اسرائیل کے صیہونی لشکر کس طرح نام محمد ﷺ کی مقناطیسی قوت کے خوف سے لرز رہے ہیں...... یہ خوف چودہ سو سال سے ان کے دلوں پر مسلط ہے...... اور خیبر و روم سے ہوتا ہوا یہ خوف آج اٹلانٹکا سمیت دنیا کے آٹھوں براعظموں میں کفر و طاغوت کے ہر پجاری کی ہڈیوں میں سرایت کر چکا ہے...... یہ ہمارے آقا ﷺ کی عظمت و سطوت کا ہلالی پرچم ہے جو الوہی توانائیوں سے بھرپور آفاق کے ہر گوشے میں لہرا رہا ہے اور جس سے آج خدا کا ہر باغی لرزہ براندام ہے اور ہمیشہ ہی رہے گا...... کیونکہ فرانس کے ایک مستشرق کیمون کی زہر آلود زبان سخت ترین گالیاں دیتے ہوئے بھی اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکی کہ

"محمد ﷺ کی قبر ایک ایسا پاور اسٹیشن ہے جہاں سے مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں توانائی کی لہریں ایسی پیدا ہوتی ہیں جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں لہذا میرا پختہ اعتقاد ہے کہ یورپ کے مادی و معنوی وجود کو برقرار رکھنے کیلئے ضرورت ہے کہ ہم مسلمانوں کی کل آبادی کا 1/5 حصہ بالکل مٹا دیں، کعبہ کو گرا دیں اور (معاذ اللہ) محمد ﷺ کا وجود (اقدس) قبر سے نکالیں۔" (الاتجاہات الوطنیہ ج ا۔ ص ۳۲۱، القومیہ والغز والفکری ص ۱۹۲، الفکر الاسلامیہ الحدیث و صلۃ بالاستعمار الحدیث ص ۵۱)

عالم کفر کا سب سے بڑا منصوبہ :۔

یہیں سے وہ بدترین اور غلیظ ترین صلیبی ذہنیت برآمد ہوتی ہے جو بیسویں صدی میں تمام مغربی اقوام اور اداروں پر کالی گھٹا کی طرح چھائی ہوئی تھی...... اور جو یورپ و امریکہ کی تمام پالیسیوں کی بنیاد تھی...... اب بھی ہے...... اور آئندہ بھی رہے گی...... اسلام کے خلاف اس بدترین صلیبی ذہنیت کا اظہار کس کس رنگ میں ہوا...... یہ

داستان بہت طویل بھی ہے اور عجیب بھی...... مگر میں تو اس روح میں جھانکنا چاہتا ہوں جو اظہار کے ان سب سانچوں میں یکساں طور پر جلوہ گر ہے...... وہ روح کیا ہے...... لیجئے خود انہی صلیبی دسیسہ کاروں کی اپنی زبان سے سن لیجئے ......

بیسویں صدی میں یورپ کے مشنری ادارے تمام عالم اسلام کے گلی کوچوں میں حشرات الارض کی طرح پھیل گئے اور ہزار ہا سرطان کی طرح امت مسلمہ کے جسم میں اپنے زہریلے پنجے گاڑ دیئے...... ان مشنری اداروں کا مقصد اساسی متعین کرتے ہوئے ایک رپورٹ تیار کی گئی جس کا عنوان تھا "Christian Workers in Islamic World" اس رپورٹ کا مرتب لکھتا ہے......

"ہم مسیحی کارکنوں کا فرض ہے کہ ہم اسلام کے خلاف تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لاتے ہوئے مسلمانوں کے دلوں میں یقین واعتماد کو متزلزل کردیں اور ایسی کتابیں، لٹریچر اور دیگر چیزیں شائع کرتے رہیں جس سے اللہ کی ذات وصفات، محمد ﷺ کی رسالت، عظمت اور سیرت، نیز قرآن کی محفوظیت کے بارے میں شکوک شبہات پیدا ہوں۔" (التبشیر والاستعمار ص ۱۹۱)

یہ تھا بیسویں صدی میں یورپ، امریکہ اور پورے عالم کفر کا سب سے بڑا اور مشترکہ منصوبہ جس پر اس پوری صدی میں کام ہوتا رہا...... اور اگلی صدی میں بھی جاری رہے گا...... آیئے ایک برطانوی جاسوس ہمفرے کے اعترافات اس کی اپنی ڈائری میں سے پڑھیں...... اور صلیبی استعمار کے اس زہریلے منصوبے کی بعض تفصیلات سے آگاہی حاصل کرتے چلیں......

"مدتوں حکومت برطانیہ اپنی نوآبادیوں کے بارے میں فکر مند رہی اور ایسے منصوبے بناتی رہی جن سے ہماری نوآبادیاں مستحکم ہوں اور نئے علاقوں میں ہمارا اثر ورسوخ قائم ہو۔ اس سلسلے میں ایک مربوط جاسوسی نظام تشکیل دیا گیا۔ ہزاروں جاسوس تمام مسلم علاقوں میں بھیجے گئے اور ان کی رہنمائی کیلئے کئی کتابیں اور رپورٹیں تیار کروائی گئیں جن میں سے ایک کتاب کا عنوان تھا "اسلام کو کیونکر صفحۂ ہستی سے مٹایا جائے" اس میں وہ بہترین عملی پروگرام مرتب تھے جن پر برطانوی جاسوسوں کو کام کرنا تھا۔ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت نے مجھے یہ ذمہ داری سونپی کہ میں نجد کے محمد بن عبدالوہاب کو ایک نئے دین کے اظہار کی دعوت پر آمادہ کروں کیونکہ وہ ایک قابل بھروسہ اور ہمارے مقاصد کو روبہ عمل لانے کیلئے مناسب ترین آدمی تھا، چنانچہ میں شیخ سے ملا اور اسے ہمارے پروگرام کی تکمیل پر آمادہ پاکر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ہمارا پروگرام جسے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے انجام دینا تھا ان نکات پر مشتمل تھا۔

۱۔　پیغمبر اسلام ﷺ کی اہانت کا سہارا لیکر اور شرک وبت پرستی کو مٹانے کے بہانے مکہ، مدینہ اور دیگر شہروں میں جہاں تک ہوسکے مسلمانوں کے مقدس مقامات کو تاراج کرنا۔

۲۔ اسلامی ممالک میں فتنہ وفساد اور شورش وبدامنی پھیلانا۔

۳۔ اسلام کی تعلیمات اور قرآن وحدیث پر مسلمانوں کا اعتماد متزلزل کرنا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے مجھے یہ اطمینان دلایا کہ وہ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے اس پروگرام کو روبہ عمل لانے میں اپنی پوری کوشش کرے گا اور پھر وہ اس کام پر لگ گیا۔ (ہمفرے کے اعترافات، تلخیص)

نجد سے پھوٹنے والا توہین رسالت کا یہ استعماری فتنہ بیسویں صدی میں اپنے نقطۂ عروج کو جا پہنچا......اور اس کے برگ وبار عالم اسلام کے تمام خطوں میں پھیل گئے ...... کہیں انکار سنت کے آئینے میں ...... کہیں مستشرقین اور مستغربین کی سیرت نگاری کے آہنگ میں ...... کہیں گستاخ رسول ﷺ، وہابی مولویوں کے ذریعہ ...... کہیں ہندو شاتمان رسول ﷺ کی دریدہ دہنی کی صورت میں......اور کہیں مرزا غلام احمد قادیانی کے غلیظ روپ میں آیئے۔ کسی قدر اختصار کے ساتھ توہین رسالت کے ان فتنوں کی جھلک دیکھیں اور بیسویں صدی میں عشق رسول ﷺ کے اس امتحان میں سرخرو ہونے والے غیور مسلمانوں کو خراج عقیدت پیش کریں۔

۱۔ مستشرقین کی ہرزہ سرائی

صلیبی جنگوں میں ہزیمت کے بعد عیسائی دانشوروں نے فکری وتحریری محاذ پر اسلام کے خلاف بدترین معاندانہ سرگرمیوں کا آغاز کیا...... تمام عیسائی فرقے اپنے اختلافات بھلا کر تحریک استشراق کے محاذ پر یکجا ہوگئے اور یہ طے کیا گیا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف علمی زہر اگلنے میں جہاں پہلے صرف راہب، پادری، قطعہ گو اور شاعر وغیرہ ڈٹے ہوئے ہیں اب ان کی جگہ مغربی دنیا کے وہ عقلاء اور فضلاء لیں گے جو کلاہ علمی سے آراستہ ہوں گے...... چنانچہ مستشرقین خاص کر مسیحی مشنری کے سرگرم حلقے حضور اکرم ﷺ کی عظمت و مقبولیت کو گھٹانے کے لئے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل میں لگ گئے۔ انہوں نے علمی تحقیق کی آڑ میں حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی پر معاندانہ تنقید کو اپنی تحریر وتقریر کا محور بنالیا اور آپ ﷺ کے خلاف ہر انداز سے زہر اگلنا شروع کر دیا۔ مستشرقین نے سیرت نگاری کی آڑ میں بات کا بتنگڑ بنانے، من مانی توجیہات کرنے اور افترا پردازی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یورپی مصنفین کی ذہنی پستی، دشنام طرازی، مبالغہ آمیزی اور بوگس توجیہات کا اندازہ صرف ایک مثال سے لگایا جاسکتا ہے کہ معاذاللہ نقل کفر کفر نباشد حضور اکرم ﷺ کے فکر وعمل کو عیسائیت کا چربہ قرار دینے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے نام نامی، اسم گرامی کو بھی ہر ممکن بگاڑنے کی کوشش کی گئی۔ بعض کینہ پرور مصنفین نے آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کو ماہومٹ (Mahomet) بعض نے موہاونڈ (Mohound) اور بعض نے بافومٹ (Baphomet) یا بافوم (Bafum) قرار دیا۔ (العیاذ باللہ)

ان متعصب ہرزہ سراؤں نے انگلی کے پیچھے سورج کو چھپانے کی ناکام کوشش کی اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اقدس کے خلاف اپنے بغض وانتقام کو ہر ممکن طریقے سے ظاہر کیا......اگرچہ میں اپنی تحریر کو ان بدبختوں

کے گھناؤنے الزامات سے آلودہ نہیں کرنا چاہتا...... مگر کیا کروں...... چند غلیظ اقوال نقل کئے بغیر تحریک استشراق اور تنقیص رسالت کے خدوخال واضح نہیں ہو سکتے...... چنانچہ دل پر ہاتھ رکھ کر مستشرقین کی چند ہفوات بطور نقل کفر کفر نباشد پڑھ لیجئے۔

۱۔ "محمد ﷺ دراصل خود ایک مسیحی پادری تھے۔ پوپ منتخب ہونے کی تمنا پوری نہ ہوئی تو انتقاماً کلیسا سے اپنا تعلق توڑ لیا اور عیسائیت کے مقابلے میں ایک نیا مذہب "اسلام" بنا لیا۔

۲۔ مرگی کے دورے پڑتے اور گمان ہوتا کہ وحی اتری ہے۔ (معاذاللہ)

۳۔ مکہ میں پیغمبرانہ زندگی رہی لیکن مدینہ جا کر بادشاہی میں بدل گئی اور وہاں لشکر کشی، انتقام اور خونریزی کا بازار گرم کر دیا۔

۴۔ خودپرست تھے اور مسلمانوں کو اپنی پرستش کی دعوت دی۔

۵۔ غزوات محض لوٹ مار کی مہمیں تھیں اور عربوں کی غربت دور کرنے کا ذریعہ۔

۶۔ ابتداء میں یہودی اور عیسائی طور طریقوں اور نظام کو اپنے مذہب کی بنیاد بنالیا مگر جب اقتدار حاصل ہو گیا تو ان کے ساتھ دشمنی شروع کر دی۔

۷۔ عرب کا ماحول ان مذہبی اصلاحات کے لئے سازگار تھا اور عرب ان معاشرتی تبدیلیوں کے پیاسے تھے لہٰذا ایک سیاسی لیڈر اور معاشرتی مصلح کی طرح اس موقع کا فائدہ اٹھایا۔ (معاذاللہ)

۸۔ بہت زیادہ شادیاں کرنے والے اور مسلمانوں کو لونڈی غلام رکھنے کی اجازت دینے والے۔

۹۔ زبان پر معاذاللہ شیطانی آیات جاری ہو گئیں۔ (داستان غرانیق)

۱۰۔ معجزات صرف خود کو انبیائے سابقین کے ہم پلہ ثابت کرنے کے لئے بیان کئے گئے۔

قارئین کرام!...... میں نے شدید کرب کے عالم میں یورپی محققین کے صرف چند الزامات نقل کئے ہیں اور وہ محض ایسے الزامات جو انتہائی شائستہ اور مہذب محسوس ہوئے...... ورنہ ان رذیل دشمنوں نے جو ننگی اور گندی گالیاں لکھی ہیں ان کا پڑھنا یا بیان کرنا کسی شریف انسان کے بس میں نہیں ہے ...... بیسویں صدی اس تحریک استشراق کا نقطۂ عروج ثابت ہوئی ہے۔ اس عہد میں تحریک استشراق کو بھرپور فروغ حاصل ہوا۔ کمیت اور کیفیت ہر دو اعتبار سے نت نئے رجحانات ابھرے...... مستشرقین کی ایک بہت بڑی تعداد سامنے آئی۔ اس میں ہر قسم کے مستشرقین شامل تھے جو یورپ کے تقریباً تمام علاقوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ چند مستشرقین کے نام یہ ہیں۔ گولڈزیہر، ولہاسن، یوجین یونگ، مونٹے، گاڈفرے، الفانسو فالینو، نولڈیکی، ہرگرونج، جوزف ہوروز، ونسنک، نکلسن، اسٹینلے لین پول، رابرٹ بریفالٹ، جوزف ہیل، تھامس آرنلڈ، گستاولیبان، ایچ جی ویلز، ہملٹن گب، ولفریڈ سمتھ، جوزف شاخت وغیرہ۔

ان مستشرقین نے مختلف موضوعات پر تصنیف و تالیف کے ڈھیر لگادیئے۔ اکثر تصانیف روایتی صلیبی تعصب کا شکار ہیں تاہم بعض مستشرقین نے قدرے انصاف پسندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اپنی سرگرمیوں کو زیادہ منظم کرنے کیلئے مستشرقین نے اس دور میں متعدد تحقیقی ادارے قائم کئے مثلاً سوسائٹی ایشیاٹک پریس، امریکن اورینٹل سوسائٹی اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی وغیرہ۔ استشراقی سرگرمیوں کو فروغ دینے کیلئے بہت سے رسائل و جرائد شروع کئے گئے۔ غرض تحریک کے تمام شعبوں میں انتہائی تیز رفتار ترقی ہوئی۔ آکسفورڈ، کیمبرج، لندن اور مغرب کی دوسری یونیورسٹیوں اور کالجوں میں اسلامی علوم کے لئے خاص نشستیں قائم کی گئیں اور یہ سارا انہماک اور جوش و خروش اپنے روایتی...... اغراض و مقاصد کی تکمیل کیلئے تھا۔ حضور ﷺ کی ذات گرامی سے بغض، عداوت اور تعصب کی جو آگ روز ازل سے یہود و نصاریٰ کے دلوں میں دہک رہی تھی...... ہنوز اسی طرح شعلہ زن ہے۔

ایک اطالوی مصنف فرانسسکو جبرئیلی نے اپنی کتاب (Mohammad and the conquest of Islam) میں برملا یہ کہا ہے کہ "مستشرقین کی پرانی دشمنی عہد جدید میں بھی جاری ہے۔"

یہ قرض ابھی باقی ہے...... :-

بیسویں صدی کے مستشرقین اپنی اسلام دشمنی میں نت نئے محاذ کھولتے رہے...... اور مسلمان محققین پورے اخلاص، دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ ان گستاخوں کی افتراء پردازی، غلط بیانی اور تلبیس و بددیانتی کا پردہ چاک کرنے میں مصروف رہے...... مستشرقین کے رد میں برصغیر کے اندر مطالعہ سیرت کا علمی محاذ سب سے پہلے سر سید احمد خان نے کھولا...... اور اس حقیقت کے باوجود کہ سر سید اپنی تجدد پرستی اور فاسد خیالات کے باعث دینی حلقوں میں مطعون تھے، انہوں نے جذبۂ ایمانی اور جرأتِ رندانہ سے کام لیکر اپنے ہم عصر مستشرق ولیم میور کی دل آزار تصنیف The life of Mohammad پر خاموش رہنا گوارا نہ کیا اور اہانت رسول ﷺ کا بدلہ لینے کیلئے اپنا تن، من، دھن سب لگادیا...... اور یورپ میں جاکر خالص علمی سطح پر اس گستاخ رسول مستشرق کے اعتراضات کا جواب لکھا۔ یوں سر سید کی کتاب "الخطبات الاحمدیہ" سے گویا مستشرقین کے مقابلہ میں ایک جوابی علمی تحریک کا آغاز ہو گیا...... ☆- پٹنہ کی بستی پھلواری کے تاجدار شاہ سلیمان پھلواری کی تحریک و ترغیب پر ایک عاشق رسول محقق قاضی سلیمان منصور پوری نے تین جلدوں میں ایک مایہ ناز کتاب "رحمۃ للعٰلمین" لکھ کر شایع کی جو آج تک اہل علم و دانش اور اہل ذوق و محبت کے ہاں یکساں مقبول ہے......

اس کتاب میں قاضی صاحب نے بطور خاص غیر مذاہب کے اعتراضات کا جواب اور یہود و نصاریٰ کے باطل افکار کا رد کیا ہے...... جسٹس سید امیر علی ایک ممتاز قانون دان اور بلند پایہ مصنف ہیں...... انہوں نے اپنی کئی کتابوں

☆- یہاں فاضل مقالہ نگار نے بد مذہب علماء کے فرقہائے باطلہ کے خلاف رد کو پتہ نہیں کس مصلحت کے تحت خدمات کے طور پر بیان کیا ہے۔ جبکہ اس قسم کا کام تو تمام ہی فرقوں نے دوسرے فرقوں کے خلاف کیا ہے پھر ایں چہ معنی دارد...... (ادارہ)

میں مستشرقین کے اعتراضات کا مفصل رد کیا بالخصوص سیرت طیبہ پر اپنی اہم ترین کتاب A critical Ex-amination of life and teachings of Mohammad میں مستشرقین کی گستاخیوں پر تنقید و محاکمہ کیا ہے...... پروفیسر سید نواب علی علوم جدیدہ کے ماہر اور مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے اپنی متعدد تصانیف خاص کر "سیرتِ رسول" میں ان گستاخانِ رسول کی ہفوات کا ٹھوس جواب دیا ہے...... سیرت طیبہ پر اس عہد میں جو سب سے بڑا کام ہوا اور جس کا اصل محرک مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں ہی کارد تھا وہ "سیرت النبی" ہے جس کا آغاز شبلی نعمانی نے کیا اور تکمیل کی سعادت سید سلیمان ندوی کو حاصل ہوئی ...... شبلی نعمانی نے اس کتاب کا جو نقشہ مرتب کیا تھا، اگر ان کی زندگی وفا کرتی اور وہ اس کے مطابق کام کر سکتے تو سیرت النبی مستشرقین کے اعتراضات کا مکمل اور یادگار جواب بن جاتی لیکن ایسا نہ ہو سکا...... اور یہ قرض ابھی امت مسلمہ کے ذمہ باقی ہے شاید آگے چل کر حضور اکرم ﷺ کے کسی غلام کو یہ قرض اتارنے کی سعادت میسر آسکے۔

۲۔ مرزائیت کا دجل و فریب

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل کا انتہائی مکروہ فتنہ...... انسانیت کے چہرے کا بدنما داغ...... اور تاریخ عالم کا بدترین ناسور...... ہندوستان کا سب سے رذیل شخص...... انگریزوں کا گھڑا ہوا جعلی نبی ...... حضور خاتم النبین ﷺ کا گستاخ...... اسلام کا غدار...... پلید زندگی اور بھیانک موت کا شاہکار...... مرزا غلام احمد قادیانی ملعون...... اپنے پیچھے ایک ایسی غلاظت سے بھری ہوئی تاریخ چھوڑ گیا ہے جسکے تعفن سے ہمیشہ انسانیت کا دم گھٹتا رہے گا...... سوال یہ نہیں ہے کہ مرزا نبی تھا یا نہیں...... کیونکہ مرزا کی جعلی نبوت کا بھانڈہ تو پھوٹ چکا ...... اور اسکے غبارے سے ہوا نکل چکی ہے...... اور میرا دل کہتا ہے کہ آج روئے زمین پر شاید ہی کوئی ایک بھی قادیانی ایسا پایا جاتا ہو جو پاکستانی آئین (ختم نبوت کا منکر کافر) کے فیصلے سے آگاہ ہونے کے باوجود مرزا غلام احمد کو سچ مچ دل سے نبی مانے...... حتیٰ کہ خود مرزا طاہر قادیانیوں کا خلیفہ بھی دل سے مرزا کے سچا نبی ہونے پر ایسا یقین نہیں رکھتا جیسا یقین ہم غلامانِ مصطفیٰ ﷺ اپنے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے پر رکھتے ہیں۔

خدا نے مرزائیوں کو ایسی بھیانک سزا دی ہے کہ انہیں سچے نبی پر ایمان سے بھی محروم کر دیا ہے...... اور جھوٹے نبی کے مکر و فریب کو بھی ان پر آشکار کر دیا ہے...... میں برملا کہتا ہوں کہ مرزا طاہر سمیت کوئی ایک قادیانی بھی ایسا موجود نہیں جو مرزا غلام احمد کی نبوت جھوٹی، جعلی او خود ساختہ ہونے کا علم نہ رکھتا ہو۔...... اس کے باوجود یہ تمام قادیانی، مرزائی اور لاہوری احمدی سب کافر اور بدترین کافر ہیں...... یہ سب مکار، دھوکہ باز اور فریبی لوگ ہیں...... جس طرح خود مرزا غلام احمد قادیانی اچھی طرح جانتا تھا کہ میں نبی نہیں ہوں...... اس کے باوجود اپنے نبی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتا تھا...... اسی طرح ہر مرزائی، قادیانی، احمدی اور لاہوری جانتا ہے کہ مرزا غلام احمد جھوٹا ہے...... اس کے باوجود وہ مرزا کے نبی ہونے کا دعویٰ اور اعلان کرتے ہیں...... ایسا دعویٰ اور اعلان جس پر خود

انہیں بھی یقین نہیں ۔ صرف دھوکہ فریب اور مکاری سے دعویٰ کرتے ہیں...... آخر ایسا کیوں کرتے ہیں؟...... بس یہی ہے وہ سوال جو بیسویں صدی کی سب سے بڑی، سب سے بھیانک اور سب سے مکروہ سازش کا پردہ چاک کرتا ہے......

اسلام کے خلاف انگریزوں کی ایسی بدترین سازش جسے انہوں نے محض شروع ہی نہیں کیا بلکہ آج تک اسے پال رہے ہیں...... سنبھال رہے ہیں...... اور ایک سو سال سے زیادہ عرصہ پر پھیلی ہوئی اس سازش کی مسلسل لمحہ لمحہ دیکھ بھال کر رہے ہیں...... مرزا تو نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد ۷ سال کے اندر اندر مر گیا لیکن اس کے جھوٹ کا پول اس وقت کھل گیا تھا...... اس کے مکر و فریب کا پردہ چاک ہو گیا تھا اور یہ بات انگریزوں کے لئے بہت پریشانی کا باعث تھی...... ان کی سازش پہلے ہی لمحے ناکامی کے خطرے سے دوچار ہو گئی تھی...... اور خود مرزا اپنی زندگی ہی میں اس خطرے کو بھانپ چکا تھا...... اس لئے اپنے پالنہار انگریزوں کو بار بار یادداشتیں، درخواستیں اور عریضے لکھ کر اس خطرے سے آگاہ کر رہا تھا...... اور اپنی نسل در نسل وفاداری کا یقین دلا رہا تھا۔ بس یہی وہ مرحلہ تھا جب انگریزوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے اس لگائے ہوئے پودے کو آخر تک انہیں خود سنبھالنا ہوگا...... لمحہ لمحہ اس کی نگہداشت کرنی ہوگی...... اسے ہر موسم کی سختی سے ہر باد مخالف کے تھپیڑے سے، ہر خطرے اور ہر اندیشے سے بچانا ہوگا...... امت مسلمہ کی پیٹھ میں جو چھرا انہوں نے گھونپا ہے اب اس زخم کے ناسور بننے تک خود اس کی ساخت و پرداخت کرنا ہوگی...... اور داد دیجئے انگریزوں کی فتنہ پرور سازشی ذہنیت کو کہ اب تک وہ اپنے اس مکر و فریب کو پوری طرح نبھا رہے ہیں...... اور بڑی کامیابی سے آگے بڑھا رہے ہیں......

انگریز اچھی طرح اس بات کو جانتے ہیں آج اگر انہوں نے مرزائیت کی سرپرستی چھوڑ دی تو یہ فتنہ لمحوں میں اپنی موت آپ مر جائے گا...... اور انہیں یہ بھی احساس ہے کہ مرزائیت کی موت یہود و نصاریٰ کی ایک اور بدترین صلیبی شکست ہوگی...... کیونکہ مرزائی امت مسلمہ کے خلاف جو جنگ لڑ رہے ہیں یہ ان کی اپنی نہیں صلیبیوں کی جنگ ہے...... کیا بدنصیبی ہے مرزائیوں کی...... خدا نے انہیں فاران کے چاند سید المرسلین کے سایہ رحمت سے نوازا...... مگر ان غداروں نے مہتاب عرب ﷺ کی ٹھنڈی، میٹھی کومل چاندنی کو ٹھکرا کر گندے نصرانیوں کی صلیب اٹھالی...... اور امت مسلمہ کے خلاف بیسویں صدی کی سب سے مکرہ صلیبی جنگ شروع کر دی...... یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہر پچھلی صلیبی جنگ کی طرح بالیقین اس تازہ صلیبی جنگ میں بھی آخری فتح اسلام ہی کی ہوگی...... اور تاریخ انسانیت کی بدترین شکست کا داغ بالآخر قادیانیوں کے مکروہ چہرے پر ثبت ہوگا...... کہ یہی خدا کا اٹل فیصلہ ہے...... ان الباطل کان زھوقا...... هو الذى ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون ○

قارئین محترم! ویسے تو میں یہ باور نہیں کر سکتا کہ آج کوئی مسلمان اس بارے میں ذرا بھی شبہ رکھتا ہوگا کہ

مرزائیت انگریزوں کا لگایا اور پالا ہوا پودا ہے...... کیونکہ اس بات کا اقرار تو خود قادیانی بھی کرتے ہیں...... ان کے نبی غلام احمد سے لیکر آج تک کسی مرزائی نے اس سے انکار نہیں کیا...... تاہم علمی تحقیق کے تقاضے پورے کرنے کیلئے میں بیسویں صدی کی اس مکروہ سازش کا اقرار خود انگریزوں کی زبان سے آپ کو سنواتا چلوں تاکہ شرح صدر میں اضافہ ہو...... تو لیجئے سنئے۔

جعلی نبوت کا منصوبہ :-

1869ء میں انگلستان سے دانشوروں، سیاستدانوں اور پادریوں پر مشتمل ایک وفد اس بات کا جائزہ لینے کیلئے انڈیا آیا کہ 1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کے جوش و خروش کے اسباب کیا تھے اور آئندہ انہیں اس حد تک کمزور کرنے کیلئے کہ پھر وہ کسی تحریک میں حصہ نہ لے سکیں، کیا اقدامات کئے جائیں...... کس طرح حکومت برطانیہ کیلئے پیدا شدہ خطرات کا سدباب کیا جا سکے؟ یہ برطانوی وفد کئی پہلوؤں پر کام کرتا رہا...... ایک سال بعد 1870ء میں وفد کے اراکین نے لندن میں ایک کانفرنس بلائی جس میں ہندوستان کی نمائندہ مشنریوں نے بھی شرکت کی...... برطانوی کمیشن اور مشنریوں کی طرف سے ہندوستان میں مذہبی تخریب کاری کے پروگرام کی دو الگ رپورٹس پیش ہوئیں جنہیں یکجا کر کے ایک جامع رپورٹ بنا دیا گیا۔ اس رپورٹ کا عنوان ہے (The Arri-val of British Empire in India) رپورٹ میں انگریزوں نے اپنی سامراجی ضروریات کی تکمیل کیلئے مسلمانوں میں ایک ایسا جعلی نبی کھڑا کرنے کی ضرورت اجاگر کی ہے جو انگریزوں کی ہدایات پر کام کرے اور امت مسلمہ میں ہمیشہ کے لئے فتنے کا بیج بودے...... رپورٹ میں کہا گیا

" Majority of the population of the country blindly follow their "peers," their spiritual leaders. If at this stage, We succeed on finding out some one who would be ready to declare himself a "Zilli Nabi " (apostolic prophet) then the large number of people shall can flourish under the patronage of the govt. We have already over - powered the native govts. mainly pursuing a policy of seeking help from the traitors. That was a different stage, for at that time, the trastors were from the military point of view. But now when we have sway over every nook of the country and there as peace and order every where, we ought to undertake measures, which might creale inernal untest among the country."

(Extract from the printed Report, India office Library)

ترجمہ: ملک (ہندوستان) کی آبادی کی اکثریت اندھا دھند اپنے پیروں یعنی روحانی رہنماؤں کی پیروی کرتی

ہے۔ اگر اس مرحلے پر ہم ایک ایسا آدمی تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو اس بات کے لئے تیار ہو کہ اپنے لئے ظلی نبی (تابع نبی) ہونے کا اعلان کر دے تو لوگوں کی بڑی تعداد اس کے گرد جمع ہو جائیگی۔ ایسے شخص کی نبوت کو سرکاری سرپرستی میں پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔ ہم نے پہلے بھی غداروں کی مدد حاصل کر کے ہندوستانی حکومتوں کو محکوم بنایا لیکن وہ مختلف مرحلہ تھا۔ اس وقت فوجی نقطۂ نظر سے غداروں کی ضرورت تھی۔ لیکن اب جبکہ ہم نے ملک کے کونے کونے میں اقتدار جمالیا ہے اور ہر طرف امن وامان ہے ہمیں ایسے اقدامات کرنے چاہیے جن سے ملک میں داخلی بے چینی پیدا ہو سکے؟

(مطبوعہ رپورٹ سے اقتباس، انڈیا آفس لائبریری لندن حوالہ قادیان سے اسرائیل تک ص ۲۴)

انگریز کو ہندوستان میں جعلی نبوت کا دعویٰ کرنے کیلئے جس قسم کا مکروہ شخص درکار تھا وہ بہت جلد اسے مل گیا...... اور کیوں نہ ملتا...... جبکہ مسلمانوں کی تاریخ میں غدار ہمیشہ بہت وافر موجود رہے ہیں...... مدینہ میں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین سے لے کر ابن سبا، یزید، ابن زیاد، ابن علقمہ، بہاء اللہ، محمد علی باب، ابوالفضل فیضی، ابن عبدالوہاب نجدی، شریف مکہ، میر جعفر، میر صادق، یحییٰ خان، شیخ مجیب الرحمن، یہ فہرست بہت طویل ہے...... اور اس میں بہت اونچی جگہ اس شخص کا نام آتا ہے جسے انگریزوں نے ہندوستان میں دعوائے نبوت کے لئے چنا...... ہاں یہی تو ہے مرزا غلام احمد قادیانی...... خدا اس کی تربت پہ ہمیشہ تازہ شعلے اتارے۔ آمین۔

1868ء کے لگ بھگ مرزا غلام احمد سیالکوٹ ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں منشی کی ملازمت کر رہا تھا...... ایک عرب محمد صالح ہندوستان آئے...... ان کے پاس ایک فتویٰ تھا جس میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا تھا...... انگریزوں نے انہیں جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر لیا...... دوران تفتیش ایک ایسے آدمی کی ضرورت پڑی جو عربی کے مترجم کے طور پر کام کر سکے...... یہ خدمت مرزا غلام احمد نے ادا کی اور عرب دشمنی اور برطانیہ نوازی کی وہ مثال پیش کی کہ سیالکوٹ کا ڈپٹی کمشنر ہارکنسن مرزا کا گرویدہ ہو گیا...... اسی عرصہ میں ایک مشہور پادری ایم۔ اے بٹلر جو برطانوی انٹلی جنس کا ایک رکن تھا اور جس کے ساتھ مرزا نے مذہبی بحث کی آڑ میں طویل ملاقاتیں کیں اور انگریزوں کی خدمت و وفاداری کے لئے ہر قسم کا یقین دلایا...... جب یہ پادری بٹلر لندن واپس جانے لگا تو مرزا کے پاس خصوصی ملاقات کیلئے آیا...... خفیہ بات چیت ہوئی اور معاملات کو حتمی صورت دی گئی...... مرزا غلام احمد کا بیٹا مرزا محمود اپنی تصنیف "سیرت مسیح موعود" میں لکھتا ہے:

"ریورنڈ بٹلر ایم اے جو سیالکوٹ مشن میں کام کرتے تھے اور جن سے حضرت صاحب (مرزا غلام احمد) کے بہت سے مباحثات ہوتے رہتے تھے جب ولایت واپس جانے لگے تو خود کچہری میں آپ کے پاس ملنے کے لئے چلے آئے اور جب ڈپٹی کمشنر صاحب نے پوچھا کہ کس طرح تشریف لائے تو ریورنڈ بٹلر نے کہا کہ صرف مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے اور جہاں آپ بیٹھے تھے وہیں سیدھے چلے گئے اور کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلے گئے۔"

(سیرت مسیح موعود، ص ۱۵)

یہی وہ ملاقات تھی جس نے بیسویں صدی کے اس سب سے بھیانک فتنے کی راہ ہموار کی...... چنانچہ پادری ہنٹر سے ملاقات کے بعد اسی سال مرزا غلام احمد بغیر کسی ظاہری معقول وجہ کے نوکری چھوڑ کر واپس قادیان چلا گیا......اور تصنیف و تالیف کے کام میں لگ گیا...... تصنیف و تالیف سے لے کر جھوٹی نبوت تک مرزا کا سفر کئی مراحل و مدارج پر محیط ہے...... پہلے مناظر بنا...... پھر مصلح کا روپ دھارا...... پھر مجدد کا سوانگ بھرا......آگے بڑھا تو مہدی......اور پھر مسیح موعود کے بہروپ میں سامنے آیا......اور آخر کار بیسویں صدی کے آغاز میں جھوٹی نبوت کا ناٹک رچا کر اس عہد کا بدترین شخص ہونے کا ثبوت مہیا کر دیا......

مرزا قادیانی اور توہین رسالت :-

مرزا غلام احمد قادیانی کا دعوئی نبوت ہی خود سب سے بڑی توہین رسالت تھی۔ مگر اس بدبخت نے تو حضور سید المرسلین ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیوں کی حد ہی کر دی...... میں اس ملعون گستاخ رسول کی سب بیہودہ عبارات تو یہاں نقل نہیں کر سکتا۔ البتہ چند ہلکی گستاخیاں بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

۱۔ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود قرار دیا ہے۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۰، روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۲)

۲۔ جو شخص مجھ میں مصطفیٰ ﷺ میں تفریق کرتا ہے اس نے مجھے نہیں دیکھا اور نہیں پہچانا۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۱، روحانی خزائن ج ۱۲ ص ۲۵۸)

۳۔ ہمارے نبی کریم ﷺ جیسا کہ پانچویں ہزار میں مبعوث ہوئے ایسا ہی مسیح موعود کی بروزی صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار کے آخر میں مبعوث ہوئے......بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روحانیت چھٹے ہزار کے آخر میں بہ نسبت پہلے سالوں کے اقویٰ اور اشد اور اکمل ہے بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۸۲، روحانی خزائن ج ۱۲ ص ۲۷۲)

۴۔ حدیبیہ کی پیشن گوئی وقت اندازہ کردہ پر پوری نہیں ہوئی۔ (تحفہ گولڑویہ ص ۲۷، روحانی خزائن ج ۱۷ ص ۱۵۳)

۵۔ اس (نبی کریم ﷺ) کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا، اب کیا تو انکار کرے گا۔ (اعجاز احمدی ص ۷۱، روحانی خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۳)

۶۔ مگر تم خوب توجہ کر کے سن لو کہ اب اسم محمد ﷺ کی تجلی ظاہر کرنے کا وقت نہیں۔ یعنی اب جلالی رنگ کی کوئی خدمت باقی نہیں۔ سورج کی کرنوں کی اب برداشت نہیں۔ اب چاند کی ٹھنڈی روشنی کی ضرورت ہے اور وہ احمد کے رنگ میں ہو کر میں ہوں۔ (اربعین نمبر ۴ ص ۱۰۳، روحانی خزائن ج ۱۷ ص ۴۴۵)

۷۔ نبی کریم ﷺ سے کئی غلطیاں ہوئیں۔ کئی الہام سمجھ نہ آئے۔ (ازالہ اوہام، ج ۲ ص ۳۶۳)

۸۔ نبی ﷺ سے دین کی مکمل اشاعت نہ ہو سکی میں نے پوری کی ہے۔ (حاشیہ تحفہ گولڑویہ ص ۱۶۵)

۹۔ میری وحی کے مقابلے میں حدیث مصطفی ﷺ کوئی شے نہیں۔ (اعجاز احمدی، ص ۵۲)

۱۰۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھالیتے تھے حالانکہ مشہور تھا کہ سور کی چربی اس میں پڑتی ہے۔ (مرزا کا ایک مکتوب مندرجہ اخبار الفضل، ۲۲ فروری ۱۹۲۴)

مرزا کے لئے قدرت کا تازیانہ...... تاجدار گولڑہ :-

ادھر مرزا نے جعلی نبوت کا ناٹک رچایا اور شان رسالت میں گستاخیاں کیں...... ادھر خدا نے اسکی گرفت کا فیصلہ کر لیا...... اور حسی و معنوی سزاؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا...... عملی و فکری محاذ پر اس ملعون کی گرفت کے لئے خدا نے جس شخصیت کو میدان عمل میں اتارا اس کا نام نامی سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرالعزیز ہے...... رب قدوس کی بے پایاں عطاؤں نے آل رسول کے اس چشم و چراغ کو علم، عمل اور روحانیت ہر دائرے میں نمایاں شرف و امتیاز بخشا...... اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کیلئے بطور خاص تیار کیا تھا...... چنانچہ کئی مکاشفات سے یہ امر آپ پر آشکار ہو چکا تھا کہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے فتنہ کا سد باب آپ کی ذات سے متعلق ہے...... 1890ء میں حج کے موقع پر آپ نے حجاز مقدس ہی میں سکونت پذیر ہونے کا ارادہ فرمایا تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے بناء بر کشف آگاہ ہو کر فرمایا تھا کہ عنقریب سرزمین ہند میں ایک بہت بڑا فتنہ ظاہر ہونے والا ہے۔ جس کا سد باب آپ سے ہو گا۔ وطن لوٹنے کے بعد اگلے ہی سال مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کر دیا او علماء اسلام سے مناظرہ بازی شروع کر دی...... اس موقع پر آپ کو عالم رؤیا میں حضور سید عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور آقائے دو عالم ﷺ نے مرزا کی تردید کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "یہ شخص میری احادیث کو تاویل کی قینچی سے کتر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔"

اس حکم کی تعمیل یوں ہوئی کہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب نے 1900ء میں ایک رسالہ "شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح" لکھا اور مرزا قادیانی کے باطل نظریات کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ یہ رسالہ قادیان پہنچا تو ایوان مرزائیت میں تہلکہ مچ گیا اور ملک کے طول و عرض میں قادیانیت کے خلاف ایک شور برپا ہو گیا...... اس پر مرزا نے طیش میں آکر پیر صاحب کو مناظرہ کا چیلنج کر دیا کہ "تو میرے ساتھ عربی زبان میں تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لو"...... حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے فوری طور پر مرزا کا چیلنج قبول کر لیا اور عربی تفسیر نویسی کے ساتھ ساتھ مرزا کے عقائد و نظریات پر زبانی مناظرہ کی دعوت بھی دی اور اس کا اشتہار چھپوا کر ملک بھر میں پھیلا دیا...... جب مناظرہ کا دن قریب آیا تو ملک کے طول و عرض سے ہزار ہا مسلمان لاہور پہنچ گئے۔ علماء، مشائخ اور عوام و خواص ہر طبقے کے معززین بھی کثیر تعداد میں جمع ہو گئے 'بھلا وہ کیسے میدان میں نکلتا...... چنانچہ حضرت پیر

صاحب لاکھوں انسانوں کے ہمراہ کئی دن تک بادشاہی مسجد لاہور میں انتظار کرتے رہے...... مگر مرزا قادیانی کو نہ آنا تھا اور نہ آیا...... آخر اہل ایمان کا یہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر ایک بہت بڑے جلسۂ سیرت میں بدل گیا...... علماء و مشائخ اور دانشوروں نے اپنے آقا و مولا حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں عقیدت و محبت کے نذرانے پیش کئے...... اور بر صغیر کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے یہ لاتعداد مسلمان مرزا غلام احمد قادیانی کی ذلت و رسوائی کا اشتہار بن کر لوٹے۔

اس دوران حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب کی روحانی عظمت اور بارگاہ نبوی میں مقبولیت کے ایسے نمایاں شواہد سامنے آئے جو رہتی دنیا تک گولڑہ کے اس تاجدار کا نشانِ امتیاز بن کر جگمگاتے رہیں گے...... چنانچہ ایک موقع پر قادیانی جماعت کے ایک وفد نے پیر صاحب سے کہا کہ آپ مرزا صاحب سے مباہلہ کیوں نہیں کر لیتے کہ دونوں ایک ایک اندھے اور اپاہج کے حق میں دعا کریں جس کے نتیجہ پر حق و باطل کا فیصلہ ہو...... اس پر قبلہ پیر صاحب نے فرمایا مرزا سے کہہ دیں اگر مردے بھی زندہ کرنے ہوں تو آجائے...... تحفظ ناموسِ رسالت کے لئے پیر صاحب کی یہ رجز خوانی تیرہ سو سال کے اولیاء و مشائخ کی روحانی قوتوں کا فیضان تھا...... اور نہ جانے کون سی ہستیاں آپ کی پشت پناہ تھیں...... ایک بزرگ حضرت سید چانن شاہ جابہ شریف اس عرصہ میں اپنے ایک خواب کی کیفیت بیان کرتے تھے کہ

"میں نے ایک فوج کو علم لہراتے دریائے جہلم کے راستے لاہور کی طرف جاتے دیکھا جس میں سے ایک صاحب نے میرے پوچھنے پر بتایا کہ ہم بغداد شریف سے آرہے ہیں اور پیر صاحب گولڑہ کی نصرت کے لئے مرزا قادیانی کے مقابلے پر لاہور جارہے ہیں۔" (مہر منیر، ص ۲۳۵)

ایک اور بات جو اس موقع پر بہت مشہور ہوئی اور مدت تک جس کا چرچا رہا یہ تھی کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے مرزا کی طرف سے عربی تفسیر نویسی کی تعلی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "علماء اسلام کا اصل مقصود تحقیق حق اور اعلاء کلمۃ اللہ ہوا کرتا ہے فخر و تعلیٰ مقصد نہیں ہوتا ورنہ جناب نبی کریم ﷺ کی امت میں اس وقت بھی ایسے خادم موجود ہیں کہ اگر قلم پر توجہ ڈالیں تو وہ خود بخود کاغذ پر تفسیر قرآن لکھ ڈالے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اشارہ اپنی جانب تھا چنانچہ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ دعویٰ از خود نہیں کیا تھا بلکہ عالم مکاشفہ میں جناب نبی کریم ﷺ کے جمال باکمال سے میرا دل اس قدر قوی اور مضبوط ہو گیا تھا کہ مجھے یقین کامل تھا اگر اس سے بھی کوئی بڑا دعویٰ کرتا تو اللہ تعالیٰ ضرور مجھے سچا ثابت کرتا۔

پیر صاحب کا یہ احساس تائید ربانی سے بہرہ ور تھا کیونکہ تحفظ ختم نبوت کی اس جدوجہد میں شروع ہی سے آپ کو حضور سید المرسلین ﷺ کے بے پایاں لطف و کرم کی تجلیاں اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھیں...... چنانچہ اپنا ایک مکاشفہ آپ نے یہ بیان فرمایا کہ: "جن دنوں مرزا کی طرف سے مناظرہ کی دعوت پہنچی۔ میں ایک نعت

عظمیٰ سے بہرہ ور ہوا۔ حالت بیداری آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو جلوہ فرما دیکھا۔ میں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں مرید کی طرح باادب بیٹھا ہوں اور مرزا غلام احمد دور آنحضرت ﷺ کی طرف پشت کئے بیٹھا ہے...... اس مکاشفہ کے بعد میں لاہور پہنچا لیکن مرزا اپنے تاکیدی وعدہ سے پھر گیا اور لاہور نہ آیا"......

پیر مہر علی شاہ صاحب نے مرزا قادیانی کا پیہم محاسبہ جاری رکھا۔ ہر دعویٰ پر اس کی گرفت کی اور ہر موقع پر اس کا بھر پور تعاقب کیا...... اس کے باطل نظریات کے رد میں "سیف چشتیائی" جیسی لازوال تصنیف امت کے لئے یادگار چھوڑی...... پیر صاحب سچے عاشق رسول ﷺ تھے...... دنیا انہیں فاتح قادیانیت کی حیثیت سے ہمیشہ خراج عقیدت پیش کرتی رہے گی......

فتنہ قادیانیت کے استحصال میں حکیم مشرق علامہ اقبال، امام احمد رضا بریلوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، ۱۹۵۳ اور ۱۹۷۴ کی تحریک ختم نبوت کے قائدین، کارکنان اور شہداء اور اس وقت کے اراکین قومی اسمبلی سب کی خدمات لازوال ہیں اس بارے میں کچھ گفتگو آگے آرہی ہے......

۳۔ ہندو شاتمان رسول ﷺ

برطانوی استعمار نے جس دجل و فریب اور شاطرانہ عیاری سے ہندوستان میں اپنے پنجے گاڑے اسکی مثال دنیا کی کسی اور سامراجی حکومت میں نہیں ملتی...... ہندوستان میں دو قومیں آباد تھیں: ہندو اور مسلمان...... انگریز نے "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی اختیار کی...... اور ہندو مسلمان دونوں کو آپس میں لڑانا شروع کر دیا...... انگریز کو چونکہ زیادہ خطرہ مسلمان سے تھا...... اس لئے وہ خود ہندوؤں کا سرپرست بن گیا...... اور مسلمان کو ہر لحاظ سے ظلم و استبداد کی چکی میں پیسنے لگا...... انگریز نے ہندوؤں میں یہ تاثر پھیلایا کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ہے...... مسلمان باہر سے آئے ہیں...... ان کے لئے ہندوستان میں کوئی جگہ نہیں...... یوں انگریز نے مسلمانوں کو ہندومت میں ضم کرنے یا ہندوستان سے باہر نکالنے کے لئے کئی ہندو تحریکیں شروع کروائیں...... ان میں شدھی، سنگھٹن، مرزائیت، وحدت ادیان اور شاتت رسول ﷺ جیسی فاسد تحریکیں سرفہرست تھیں......

فرنگی سامراج کو برصغیر میں اپنے اقتدار کے خلاف جو نفرت کا لاوا دہکتا ہوا نظر آیا اسے ہندو مسلم دشمنی میں بدلنے کے لئے یہ تحریکیں اٹھائی گئیں...... ہندو بہت جلد انگریزوں کے دام فریب میں پھنس گئے...... اور مسلمانوں کے آقا و مولا رحمۃ للعلمین ﷺ کی شان اقدس میں دریدہ دہنی کرنے لگے...... ہندوؤں کو اس بڑے پیمانے پر شاتت رسول ﷺ کی تحریک برپا کرنے کی جرأت کبھی نہ ہوتی اگر فرنگی سامراج ان کی پشت پناہی نہ کرتا...... انگریز تو صدیوں سے حضور محسن انسانیت ﷺ کی ذات گرامی کے خلاف بغض و عناد کی آگ میں جل رہے تھے...... کئی سو سال پر محیط صلیبی جنگوں، تحریک استشراق، استعماری سازشوں اور تہہ در تہہ معاندانہ سرگرمیوں

کے تسلسل میں ہمیشہ اسی بغض و عناد کے شعلے بھڑکتے رہے...... انگریز جب بھی مسلمانوں کے خلاف کچھ سوچتے اسی بغض و عناد اور توہین رسالت کے جذبے سے سوچتے...... جب کبھی کوئی سازش کرتے اسی حوالے سے کرتے ...... فرنگی سازشوں کی تاریخ ورق ہمارے سامنے ہے...... اور ہر ورق سے ورق توہین رسالت کی ناپاک سرگرمیوں سے آلودہ ہے...... یہ لوگ حیثیت ذمی اگر اسلامی ریاست کی آغوش عاطفت میں پناہ گزیں ہوئے تب بھی توہین رسالت کے جرم سے باز نہیں آئے...... جبھی تو صدیوں پہلے شیخ ابن تیمیہ جیسا شخص بھی جو خود تنقیصِ رسالت کے ارتکاب سے آلودہ تھا، ذمیوں کی صریح گستاخانہ حرکتوں کے خلاف "الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ" جیسی معرکہ آرا کتاب لکھنے پر مجبور ہو گیا......

ان انگریزوں نے عرب کو تاکا تو ہمفرے جیسے ہزاروں جاسوس بھیجے اور محمد بن عبدالوہاب نجدی جیسے گستاخانِ رسول سے باغیانہ تحریکیں شروع کروائیں...... ہندوستان آئے تو کبھی مرزا غلام احمد قادیانی جیسے بدترین شیطان پیدا کیے...... کبھی نجد کے پیروکار مولوی خریدے اور انھیں اپنے آقا و مولا سید المرسلین ﷺ کی تنقیص و اہانت کے مشن پر لگا دیا...... کبھی ہندوؤں کو بھڑکایا اور منشی رام جیسے گھٹیا لوگوں کو سوامی شردھانند کا روپ سجا کر شدھی تحریک کا بانی ٹھہرایا...... اور پھر اس کے چیلوں کو توہین رسالت کے محاذ پر سرگرم کر دیا...... ہندوؤں کو اس مذموم سازش میں فعال بنانے کے لئے انگریزوں نے اپنے پٹھو مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی خوب استعمال کیا...... چنانچہ مرزا نے ہندومت کے خلاف مذہبی بحثوں کی آڑ میں وہ اشتعال انگیز تحریریں لکھیں اور آریوں کو پے در پے ننگی گالیاں دیکر اس قدر منافرت پیدا کر دی کہ ہندو جواباً مسلمانوں سے انتقام لینے پر اتر آئے اور اس انتقام کا ہدف ذات رسالت مآب ﷺ ٹھہری...... یوں تاریخی نقطۂ نظر سے ہندوؤں کی تحریک شماتت رسول بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی شرارت سے ابھری...... ہندوؤں کے لیڈر مہاتما گاندھی نے اس بارے میں دوٹوک انداز سے کہا تھا:

"توہین رسالت کے اس فتنے کا آغاز مرزائی مولویوں نے کیا ہے جنھوں نے اپنے لٹریچر میں ہندو مذہب کو ہمیشہ نشانہ طنز بنایا۔ سوامی دیانند سرسوتی کو غلیظ سے غلیظ گالیاں دی گئیں اور ہندوانہ رسوم کا سفیہانہ تمسخر کیا۔ اس پر بعض نادان آریہ سماجیوں نے انتقاماً حضرت محمد ﷺ کی توہین شروع کر دی۔"

(ینگ انڈیا ۹ جون ۱۹۲۴، ۲۴ ستمبر ۱۹۲۷ء)

واقعہ یہ ہے کہ ہندو اور قادیانی دونوں ہی فرنگی سامراج کے مہرے تھے اور اسی کی شہ پر ہندو مسلم فسادات کو ہوا دے رہے تھے...... چنانچہ ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی خود بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پے در پے گستاخیاں کر رہا تھا...... اور دوسری جانب ہندوؤں کو گالیاں دے کر اور اشتعال دلا کر توہین رسالت کا موقع فراہم کر رہا تھا...... یوں مرزا قادیانی نے جو کانٹے بوئے ان کی فصل امتِ مسلمہ کو راج پال، نتھو رام، شردھانند، پالا مل سنار اور چنچل سنگھ جیسے خاردار اور زہر آلود درختوں کی صورت اٹھانا پڑی...... آیئے ایک نظر بیسویں صدی کے اس تاریخی معرکہ تحفظ ناموس رسالت پر ڈالیں...... اور یہ دیکھیں کہ عاشقان رسول ﷺ اپنے آقا و مولا ﷺ کی

عظمت و ناموس کی حفاظت کے لئے کس طرح دشمنوں سے نبرد آزما ہوئے......اور کس والہانہ بیقراری سے پروانہ وار شمع رسالت پہ فدا ہوتے گئے......

راجپال......اور غازی علم الدین شہید :-

۱۹۲۹ء، برصغیر کی فضاؤں میں ایک عجیب کرب و اضطراب چھایا ہوا ہے......اہل ایمان میں ہر طرف دکھ کا بسیرا ہے۔ سچائی کے مقدس وجود سے خون رس رس کر انسانیت کو پکار رہا ہے...... گستاخ رسول ہندو راجپال نے ایک غلیظ کتاب "رنگیلا رسول" شائع کر کے اہل ایمان کے خرمن محبت کو آگ لگا دی ہے...... ہر مسلمان تڑپ رہا ہے......انسانیت کی قدریں مضمحل اور تہذیب کا دامن تار تار ہے...... شرافت کی پلکیں بوجھل ہیں اور وفا کے آنسو بہہ رہے ہیں...... سوچنے والا ہر ذہن مفلوج ہے اور احساس کی چنگاریاں سلگ رہی ہیں...... پھر کیا ہوا ...... دیکھتے ہی دیکھتے یہ چنگاریاں عشق رسول ﷺ کا شعلہ جوالہ بن گئیں...... ہر مسلمان کے دل میں ناموس رسالت پہ قربان ہونے کی امنگ بھر گئی......اور تقدیر نے غازی خدا بخش، غازی عبدالعزیز اور غازی علم الدین کو اس معرکہ جان سپاری کے لئے چن لیا......غازی خدا بخش او غازی عبدالعزیز نے یکے بعد دیگرے ملعون راجپال کو جہنم رسید کرنے کی کوشش کی مگر وہ بچ گیا...... تقدیر نے ان دونوں کو غازی بنا دیا......اور ناموس رسالت پہ جان نچھاور کرنے کا اعزاز علم الدین شہید کے نصیب میں لکھا......

ان عاشقان رسول ﷺ کا جذبہ دیکھو...... غازی علم الدین شہید اور اس کے ساتھیوں میں جو سب کے سب راجپال کو قتل کرنے کے لئے تڑپ رہے تھے، اس فریضہ کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے کافی تکرار ہوئی ......ہر ایک چاہتا تھا کہ یہ سعادت اسی کو ملے......بالآخر قرعہ اندازی کا فیصلہ ہوا......اور قرعہ فال غازی علم الدین کے نام نکلا...... پھر کیا تھا...... غازی علم الدین اپنی خوش نصیبی پر ناز کر رہا تھا......اور اس کے وجود کا رواں رواں عشق رسول ﷺ کا مرقع بنا ہوا تھا۔ ایک جذبہ جان نثاری کی حرارت تھی جو اس کے تن من سے ابل رہی تھی ......6، اپریل 1929ء کا خوشگوار دن اس کے لئے نہ جانے کتنی مسرت لے کر آیا...... وہ اٹھا اور فیض عالم رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر جا پہنچا......نہ جانے برصغیر کے شہنشاہ روحانیت حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ نے غازی علم الدین کے سینے میں کیسی جوت لگائی......اسے روحانیت کے آب حیات میں نہلایا...... حیات جاوداں کی نوید سنائی ......اور آقائے دو جہاں ﷺ کی ناموس اطہر پہ نچھاور ہونے کے لئے روانہ کر دیا۔

غازی صاحب گھر آئے......او دوپہر کے کھانے پر جوش مسرت میں اپنی بھاوج سے کہنے لگے...... بھابھی میں بہت خوش ہوں......آج میری قسمت چمک جائے گی۔ مدینے والے آقا ﷺ نے مجھے اپنی ناموسِ پاک کی حفاظت کے لئے چن لیا ہے۔ آج میں راجپال کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ یہ کہا اور غازی گھر سے نکل گیا۔ سیدھا (انار کلی لاہور) راجپال کی دکان پر پہنچا......اس ملعون شاتم رسول ﷺ کو للکارا......اور آن کی آن میں اسے

جہنم رسید کردیا...... پھر خوشی خوشی گرفتاری دیدی...... مقدمہ چلا...... رشتہ داروں، دوستوں اور دفاع کرنے والوں نے بار بار قتل کا اعتراف کرنے سے روکا...... مگر شمع رسالت کا یہ پروانہ شہادت کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے تڑپ رہا تھا...... اور قدرت نے اسے شہادت کا اعزاز بھی دیا تو اس قدر مقبولیت، پذیرائی اور محبوبیت کی شان سے کہ رہتی دنیا بر صغیر کی فضاؤں میں اس کا نام گونجتا رہے گا اور وفائیں اسکی قبر پہ فخر و ناز کی پونجی نثار کرتی رہیں گی ......

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق　　ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

شردھانند...... اور غازی عبد الرشید شہید :-

شردھانند رسوائے زمانہ شدھی تحریک کا بانی اور ہندو مسلم فساد کا داعی تھا...... اس کا اصل نام منشی رام تھا وہ مسلمانوں کے خلاف فرنگی سازشوں کا آلہ کار تھا...... تحریک خلافت کے زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کی جو فضا برسوں کے اندر پیدا ہوئی تھی، شردھانند اور اسکے چیلوں نے چند مہینوں میں اسے نفرت و انتشار میں بدل دیا...... یہ لوگ شہر شہر گاؤں گاؤں پھیل گئے...... اور اسلام پر کیچڑ اچھالنے لگے...... حد تو یہ کہ ان دریدہ دہن بدبختوں نے براہ راست ناموس رسالت پر حملے شروع کردیے...... شردھانند کے ایک چیلے نے "جزبٹ" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں حضور سرور کائنات ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں اس قدر سخت گستاخیاں بالکل عریاں الفاظ میں کی گئی تھیں کہ اس خباثت کا تصور بھی مشکل ہے۔

توہین رسالت کفر کی آخری حد ہے...... شردھانند کی لگائی ہوئی آگ ہر طرف بھڑک رہی تھی اور جان نثاران مصطفی ﷺ کے دل تڑپ رہے تھے...... بالآخر اس ضلع بلند شہر (یوپی) سے ایک نوجوان عاشق رسول ﷺ اٹھا...... اور اس نے رسالت مآب ﷺ پر کیچڑ اچھالنے والے اس گروہ کے سرغنہ کا قصہ پاک کرنے کی ٹھان لی...... شمع رسالت کا یہ پروانہ غازی عبد الرشید تھا...... ایک غریب مگر معزز گھرانے کا یہ فرزند جس کی خوش قسمتی پر کائنات ہمیشہ ناز کرے گی، دہلی سے افغانستان روانہ ہوا اور وہاں سے ایک پستول خرید کر لوٹ آیا...... اب غازی عبد الرشید تھا اور عشق رسول ﷺ کی بیقراریاں تھیں...... جذبوں کی حرارت جوں جوں بڑھتی گئی اس عشق رسول ﷺ کا چہرہ نکھرتا گیا...... وہ موقع کی تلاش میں تھا اور قدرت نے یہ موقع اسے جلد ہی فراہم کردیا......

17 دسمبر 1926ء کو شردھانند دہلی میں اپنے مکان پر موجود تھا کہ غازی عبد الرشید ریوالور لے کر دن دہاڑے اسکے آشرم میں جا پہنچا...... ملت اسلامیہ کے اس غیور فرزند نے دشمن رسول ﷺ شردھانند ملعون کو للکارا...... اور پستول کی لبلبی دبادی...... چھ گولیاں اس ملعون کے سینے میں پیوست ہوگئیں...... اور یوں بیسویں صدی کے ایک بہت بڑے فتنے کی کہانی اپنے بھیانک انجام کو پہنچ گئی۔

شردھانند کے قتل سے ہندوؤں میں صف ماتم بچھ گئی جبکہ مسلمانوں نے بے انتہا خوشی کا اظہار کیا......

انگریز حکومت نے اپنے ایجنٹ کا یہ حشر دیکھا تو آپے سے باہر ہو گئی...... غازی عبدالرشید نے ابتدائی کاروائی کے دوران ہی قتل کا اعتراف کر لیا...... دہلی، یوپی اور پنجاب کے مسلمانوں نے مقدمے میں گہری دلچسپی لی...... ہر پیشی پر عدالت میں غازی عبدالرشید سے محبت کرنے والوں کا بے پناہ ہجوم امڈ آتا...... مقدمے کی ساری روداد خود مولانا محمد علی جوہر نے شائع کی...... عدالت نے غازی عبدالرشید کو پھانسی کی سزا دی...... اور ملت اسلامیہ نے اپنے اس قابل فخر سپوت کو "شہید اسلام" اور عاشق رسول ﷺ کے خطاب سے نوازا......

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن　　　　خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

نتھو رام...... اور غازی عبدالقیوم شہید :-

آریہ سماج حیدرآباد سندھ کے سیکرٹری نتھو رام نے "تاریخ اسلام" کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں سرکار دو عالم ﷺ کی شان اقدس میں سخت دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا۔ مسلمانوں میں سخت اضطراب پیدا ہوا...... جلسے جلوس اور شدید احتجاج کے علاوہ نتھو رام کے خلاف عدالت میں استغاثہ دائر کیا گیا...... نتھو رام پر مقدمہ چلا...... کتاب ضبط ہوئی اور معمولی جرمانہ کے ساتھ ایک سال کی سزا سنائی گئی...... اس نے جوڈیشل کمشنر کی عدالت میں اپیل کی اور اسکی ضمانت منظور ہو گئی...... مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ ہزارہ کے ایک غریب خاندان کے فرزند عبدالقیوم نے نتھو رام کی خرافات کا ذکر سنا تو اسکی غیرت ایمانی بھڑک اٹھی ۔ خدا نے ازل سے عبدالقیوم کے نصیب میں غازی اور شہید کا اعزاز لکھا ہوا تھا :

مقدمہ کی تفصیل جاننے کے لئے غازی عبدالقیوم نے پوچھا' سندھ میں اتنے مسلمان ہیں مگر اس بد زبان سے کسی نے نہیں پوچھا کہ سرور کائنات کی شان اقدس میں گستاخی کرنے کی تجھے کس طرح جرأت ہوئی ! کیا ہم اس قدر بے غیرت ہو چکے ہیں...... پھر کیا تھا...... اس شہباز محبت نے اپنے آقا ﷺ کی ناموس پہ قربان ہونے کا فیصلہ کر لیا...... ایک تیز دھار چاقو خریدا اور اپنی رفیقہ حیات سے کہا! "دعا کرو اللہ مجھے اس مردود سے عدالت ہی میں ملوائے اور میں اُسے بتادوں کہ میرے رسول ﷺ کی عظمت و تقدیس میں یاوہ گوئی کا فیصلہ انگریز کی عدالت سے نہیں کسی غیرت مند مسلمان کے خنجر کی نوک ہی سے ممکن ہے۔"

یہ مارچ 1934ء کی بات ہے۔ نتھو رام کی اپیل کی سماعت شروع ہوئی...... ہندو اور مسلمان بھاری تعداد میں کاروائی سننے آئے...... غازی عبدالقیوم شہید عدالت میں داخل ہوا تو نتھو رام کے پاس بیٹھ گیا...... کچھ دیر بعد شمع رسالت کا یہ پروانہ اٹھا اور نتھو رام کے پیٹ میں اپنا خنجر گھونپ دیا...... اس ملعون گستاخ رسول ﷺ کی آنتیں باہر نکل آئیں اور وہ تڑپنے لگا...... غازی عبدالقیوم نے بڑے اطمینان سے جج کو مخاطب کر کے کہا! "اس خنزیر کے بچے نے میرے آقا و مولا ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی اور اس کو سزا مل گئی...... یہ کہا اور بڑے اطمینان سے اپنی نشست پر بیٹھ گیا...... پولیس نے آکر گرفتار کیا۔

مقدمہ چلا اور مسلمان وکیلوں نے مقدمے کی مفت پیروی کی پیشکش کی تو غازی عبدالقیوم شہید نے ایک جرات مندانہ فقرہ کہا: آپ جو چاہیں کریں مگر مجھ سے انکار قتل نہ کرائیں۔ اس سے میرے جذبۂ جہاد کو ٹھیس پہنچے گی۔ یوں غازی عبدالقیوم شہید پھانسی چڑھ کر ہمیشہ کی زندگی پا گیا...... اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو عشق رسول ﷺ کی حرارت اور تحفظ ناموسِ رسالت کے لازوال جذبوں کی تابانیاں دے گیا...... سنئے آج بھی فضائے عالم میں اس غازی شہید کے یہ الفاظ گونج رہے ہیں...... اور تاابد گونجتے رہیں گے......

"میری زندگی کا سب سے خوشگوار دن وہ تھا جب میں نے گستاخ رسول ﷺ نتھورام کو موت کے گھاٹ اتارا اور میں اسی جذبہ ایمانی سے سرشار ہو کر اپنی زندگی شہنشاہ مدینہ ﷺ کے قدموں پر نچھاور کر رہا ہوں۔"

غازی عبدالقیوم شہید جیسے غیور نوجوان امت مسلمہ کی آبرو اور تاریخ اسلام کے ماتھے کا جھومر ہیں۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں ان کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

پالامل سنار...... اور غازی محمد صدیق شہید :-

پالامل ایک ہندو سنار تھا جو ہندو ساہوکاروں کی پشت پناہی میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتا رہتا تھا...... 21 مارچ 1934ء کو اس نے حضور سرور کائنات ﷺ کی ذات اقدس کے متعلق نازیبا کلمات کہے...... توہین رسالت کی اس قبیح حرکت پر سارے شہر میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی...... پالامل کے خلاف استغاثہ دائر ہوا اور عدالت نے جرم ثابت ہونے پر اسے چھ ماہ قید اور دو سو روپے جرمانے کی سزا سنائی۔ مجرم نے سیشن جج کی عدالت میں اپیل کر دی اور ضمانت پر رہا ہو گیا...... ادھر یہ ہوا اور ادھر شمع رسالت کے ایک پروانے غازی محمد صدیق کا مقدر جاگ اٹھا...... خواب میں سرور کائنات ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور حکم ملا...... "قصور میں ایک ہندو ہماری شان میں گستاخیاں کر رہا ہے۔ جاؤ اور اسے بند کرو۔"

آقائے دو جہاں ﷺ کا یہ جانباز سپاہی کئی دن تک شدت غم سے نڈھال رہا...... اس کے سینے میں غیظ و غضب کے شعلے ابل رہے تھے۔ دل میں ایک ہی جذبہ موجزن تھا کہ جلد از جلد اس موذی کو جہنم رسید کروں...... چنانچہ غازی محمد صدیق نے مجرم سے نپٹنے کی تیاری کی...... اور چلتے وقت اپنی والدہ سے کہا! ماں دعا کرو میں اس عظیم فرض کو بطریق احسن نبھا سکوں اور بارگاہ سرور کونین ﷺ میں میری قربانی منظور ہو...... 17 ستمبر 1934ء کو یہ عظیم مجاہد دربار بابا بلھے شاہ کے پاس ایک درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور اپنے شکار کا انتظار کرنے لگا...... جیسے ہی مجرم سامنے آیا اسے پہچان کر للکارا اور کہا: "میں تاجدار دو عالم ﷺ کا غلام ہوں۔ کئی دنوں سے تیری تلاش میں تھا۔ اے ملیچھ گستاخ رسول! آج تو کسی بھی طرح ذلت ناک موت سے نہیں بچ سکتا...... یہ کہا اور نعرہ تکبیر لگا کر اس بے غیرت کو ڈھیر کر دیا...... موقع پر موجود افراد کا بیان ہے کہ اگر غازی صاحب فرار ہونا چاہتے تو آسانی سے ایسا کر سکتے تھے مگر انہوں نے اپنا فرض ادا کر کے نماز شکرانہ ادا کی اور اطمینان سے مسجد کی

سیڑھیوں پر بیٹھ گئے...... ہندوؤں کے چہرے اترے ہوئے تھے اور غازی صاحب خوشی سے مسکرا رہے تھے۔ آپ کی یہ ادا مسلمانوں کی سربلندی اور غیرت مند فطرت کا منہ بولتا ثبوت تھی...... تفتیش کے دوران غازی محمد صدیق شہید نے یہ تاریخی بیان دیا :

"پالا مل گستاخ رسول ﷺ کو میں نے قتل کیا ہے اور میں اپنے اس اقدام پر بہت خوش اور نازاں ہوں۔ عدالت مجھے جو چاہے سزا دے۔ یہ تو ایک جان ہے۔ میں تو اپنے آقا و مولا ﷺ کی خاک قدم پر پوری کائنات بھی نچھاور کر دوں تو میرا عقیدہ اور ایمان ہے کہ ابھی حق غلامی ادا نہیں ہو سکا۔"

اور یوں غازی محمد صدیق نے آقائے دو عالم ﷺ کی حرمت و ناموس کی حفاظت کیلئے اپنی جان کا نذرانہ دیکر امت مسلمہ کو تاابد سرخرو کر دیا۔ تختۂ دار پہ اس پروانہ شمع رسالت کے آخری الفاظ یہ تھے :

"میرے اللہ! تیرا ہزار شکر کہ تو نے اپنے حبیب پاک ﷺ کی عظمت کے تحفظ کے لئے مجھ ناچیز کو کروڑوں مسلمانوں میں سے منتخب فرمایا۔"

رام گوپال......اور غازی مرید حسین شہید :-

1932ء میں روزنامہ زمیندار میں ایک خبر شائع ہوئی کہ پلول ضلع گوڑگاؤں کے ڈاکٹر رام گوپال ملعون نے ایک گدھے کا نام معاذاللہ حضور اکرم ﷺ کے نام نامی پر رکھا ہوا تھا۔ خبر چھپتے ہی ہر مسلمان کا خون کھول اٹھا۔ اور شدید احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بھلہ ضلع چکوال کے ایک غیرت مند جوان غازی مرید حسین کے جوش و جذبے کا کچھ اور ہی حال تھا۔ اس عاشق رسول ﷺ کے تن بدن میں شعلے بھر گئے اور اس نے رام گوپال کو سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا...... مجرم کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور قتل کی پوری منصوبہ بندی کی...... بالآخر 7 اگست 1932ء کو آفتاب نبوت کا یہ شیدائی اس ملعون کے ٹھکانے پر پہنچا۔ ہسپتال کے قریب ایک محفوظ جگہ کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے شکار کی راہ دیکھنے لگا۔ بالآخر وہ ہٹا کٹا ملعون ڈاکٹر سامنے آیا اور یہ نحیف و نزار مجاہد ناموس رسالت اس پر ٹوٹ پڑا۔ اور یہ کہتے ہوئے کہ : "او موذی اٹھ لج محمد ﷺ دا پروانہ آگیا ای۔" چھوٹے سے خنجر سے ایک ہی وار سے گستاخ رسول ہندو کو واصل جہنم کر دیا۔ بس یہی وہ لمحہ تھا جس نے مرید حسین کو غازی مرید حسین شہید بنا کر رہتی دنیا تک امر کر دیا۔

رام گوپال کو جہنم رسید کرنے کے بعد غازی مرید حسین نے خود ہی گرفتاری پیش کر دی اور دوران تفتیش اس سوال پر کہ مقتول کا حلیہ کہاں سے معلوم ہوا اس شہباز محبت نے انکشاف کیا کہ :

"جس عظیم ذات نے مجھے اس کی شناخت کروائی ان کے حضور تم تو کیا تمہارے خیال کا بھی گزر نہیں ہو سکتا۔ رام گوپال ملعون نے میرے آقا ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ اور میرے آقا ﷺ نے کرم فرمایا کہ اسے کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے مجھے چن لیا۔ میری قسمت جاگ اٹھی اور خواب میں آقا ﷺ کی زیارت ہوئی۔

آپ ﷺ نے اس ملعون کی صورت مجھے دکھائی اور میں نے جاگ کر اس کا حلیہ نوٹ کر لیا۔ "اب میں اس گستاخ کو ختم کر چکا ہوں۔ یہ میرے ہنسنے اور ہندوؤں کے رونے کا وقت ہے۔"

سچ کہا غازی مرید حسین نے......واقعی یہ اس کے ہنسنے کا وقت تھا...... چنانچہ جب پھانسی کا وقت آیا تو محبوب خدا ﷺ کا یہ غلام تختۂ دار کی طرف اس شان سے چلا کہ ہونٹوں پر تبسم تھا اور زبان پر نعت رسول ﷺ کے زمزمے اور اب تا قیامت اس شہید عشق نبی کا مزار مسکراہٹوں میں ڈوبا رہے گا......

مقام شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں　　　انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیادہ

چرن سنگھ ......اور غازی میاں محمد شہید :-

16 مئی 1934ء کی شام ایک فوجی چھاؤنی میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے فوجی عہدیدار خوش گپیوں میں مصروف تھے...... ایک ہندو ڈوگرہ نے کوئی نعت بآواز بلند ترنم سے پڑھنی شروع کر دی۔ لہجے میں مٹھاس اور عقیدت کا رنگ نمایاں تھا...... جوشِ مسرت سے مسلمانوں کی آنکھیں بھر آئیں...... پاس ہی ایک دوسرا ہندو سپاہی بیٹھا تھا۔ وہ اپنے ڈوگرہ ساتھی کے منہ سے حضور ﷺ کا اسم گرامی سنتے ہی جل بھن کر رہ گیا۔ اس نے غلیظ الفاظ میں حضور اکرم ﷺ کی توہین کرتے ہوئے اپنے ساتھی کو کہا کہ تو ہندو دھرم کا مجرم ہے اور تیرا یہ پاپ ہرگز معاف نہیں کیا جاسکتا...... عاشق رسول ﷺ غازی میاں محمد یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا...... اس نے گستاخ ڈوگرے سپاہی سے کہا: "وہ خوش قسمت ہے جو حضرت محمد ﷺ کی نعت پاک پڑھ رہا ہے...... اگر تجھے خبث باطن کے باعث پسند نہیں تو خاموش رہ یا باہر نکل جا...... خبردار آئندہ ایسی بکواس مت کرنا"...... اس مردود نے کہا: "میں ایسا ہی کہوں گا...... تجھے کیا، میں جو چاہوں کہتا پھروں"...... یہ بیہودہ جواب سن کر غازی میاں محمد کا خون کھول اٹھا...... ایک لمحہ کیلئے کچھ سوچا...... اور فیصلہ کن انداز میں کہا: "اپنی ناپاک زبان سے ہمارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی جرأت ہرگز نہ کرنا...... یہ بدتمیزی تجھے اذیتناک موت سے دوچار کر دے گی"...... بدقسمت ڈوگرے نے دوبارہ وہی جواب دیا...... اور یہ وہ لمحہ تھا جب میاں محمد نے اپنے آقا ﷺ کی ناموس پہ قربان ہونے کا فیصلہ کر لیا......وہ اپنی بیرک میں گیا...... نماز عشاء ادا کی...... اور بارگاہ الٰہی میں تڑپ کر التجا کی :

"میرے اللہ میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ تیرے محبوب ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی کرنے والے کا کام تمام کر دوں...... تو مجھے حوصلہ اور استحکام عطا فرما...... حضور سید کائنات ﷺ کی عزت و ناموس پہ مجھے اپنی جان نچھاور کرنے کی توفیق دے اور میری یہ قربانی منظور کرلے۔"

یہ دعا مانگ کر غازی اٹھا...... اپنی رائفل نکالی اور شاتم رسول ﷺ ہندو سپاہی کو للکار کر کہا: "ارے کم بخت ! اب بتا کہ میرے نبی کی شان میں گستاخی پر میں تجھے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں یا نہیں"...... اور اس کے ساتھ ہی ناموس رسالت کے شیدائی کی گولی ہندو ڈوگرے کو ڈھیر کر چکی تھی...... گرفتار ہوئے...... مقدمہ چلا اور عشق

مصطفٰی علیہ السلام کا یہ پیکر اپنے آقاو مولا علیہ السلام کا ناموس اطہر پہ قربان ہو گیا۔

چلچل سنگھ ...... اور غازی محمد عبداللہ شہید :-

1942ء کے لگ بھگ کا واقعہ ہے...... چلچل سنگھ جو پہلے مسلمان تھا، ایک سکھ عورت کے عشق میں مرتد ہو گیا...... اور جنڈیالہ شیر خان کے قریب اس عورت کے گاؤں میں جابسا...... یہ نامراد حق سے کیا پھرا انتہائی خبیث حرکتوں پہ اتر آیا...... سکھوں کے اکسانے پر جگہ جگہ حضور اکرم علیہ السلام کی شان اقدس میں دریدہ دہنی اور یاوہ گوئی کرنے لگا...... مسلمانوں کی سخت دل آزاری ہوئی اور سارے علاقے میں ہیجان پھیل گیا...... چلچل سنگھ کے گاؤں سے کوسوں دور رہنے والے عبداللہ انصاری کو ایک رات خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت ہوئی...... آپ علیہ السلام نے فرمایا: "عبداللہ یہ مرتد مجھے دکھ پہنچا رہا ہے...... اسکی زبان بند کرو" صوفی عبداللہ کی آنکھ کھلی تو وہ اپنے اندر ایک عجیب ایمانی قوت اور جوش و ولولہ محسوس کر رہا تھا...... تقدیر نے اس کے لئے غازی اور شہید کے اعزاز لکھ دیئے تھے...... وہ اٹھا اور یہ کہہ کر سکھ کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا کہ

"اس مرتد نے شہنشاہ کونین علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی ہے اسے دنیا ہی میں سزا ملنی چاہئے اور یہ سزا میں دوں گا۔"

اس عاشق رسول علیہ السلام کا حوصلہ اور امنگ دیکھو کہ تن تنہا ان سکھوں کے گاؤں جا رہا تھا جو اپنی سفاکی خونریزی اور مجرمانہ سرگرمیوں کے باعث ضلع بھر میں بدنام تھے...... اور جن کے سامنے آس پاس کے سارے مسلمان خود کو بے بس اور مجبور پا رہے تھے...... چلچل سنگھ کنویں پر بیٹھا تھا اور پاس ہی کئی سکھ گپیں لگا رہے تھے...... غازی عبداللہ نے ان سے پوچھا: "مجھے چلچل سنگھ سے ملنا ہے"۔ ایک سکھ نے اس مردود کی طرف اشارہ کیا...... غازی عبداللہ نے بڑھ کر اسے دبوچ لیا...... اور اس سے پہلے کہ وہ ملعون سنبھلتا اسے لٹا کر گلے پہ چھری پھیر دی...... خون کا فوارہ بہہ نکلا...... اور غازی عبداللہ نے چھری زمین پر رکھ کر بارگاہ الٰہی میں سجدہ شکر ادا کیا پھر نہایت سکون واطمینان کے ساتھ وہیں بیٹھ گیا...... چہرے پر خوشی کی لہریں مچل رہی تھیں...... دیکھتے ہی دیکھتے سکھوں کا اژدہام ہو گیا...... مگر کسی میں غازی کے قریب آنے کی ہمت نہ تھی ......

پولیس کے سپاہی یہ منظر دیکھ کر دم بخود رہ گئے اور حیران ہو کر سکھوں سے پوچھا...... یہ اکیلا آدمی تھا اور تم ڈھیر سارے مگر اس کے قریب آنے کی ہمت بھی نہ کر سکے...... گرفتاری کے وقت غازی عبداللہ اتنا خوش اور ہشاش بشاش تھا جیسے شادی میں آیا ہو...... قریباً ایک برس مقدمہ چلتا رہا...... بالآخر سزائے موت سنائی گئی...... یہ دیوانہ تو بارگاہ سرور کونین علیہ السلام میں حاضری کے لئے پہلے ہی بیتاب تھا شہادت سے سرفراز کیے جانے کی خوشخبری سن کر چہرہ بشاشت سے مزید چمک اٹھا۔

کھیم چند......اور غازی منظور حسین شہید :-

1941ء کی بات ہے.....تھانہ ڈومن کے ڈاک بنگلہ میں ایک متعصب ہندو چوہدری کھیم چند ایس ڈی او چکوال مقیم تھا......اس بد طینت کو مہاشر راجپال کا قریبی رشتہ دار بتایا جاتا ہے......بارگاہ سرور کونین علیہ السلام میں گستاخی اور زبان درازی اس کا وطیرہ تھا......اسے توہین رسالت کا مزہ چکھانے کے لئے غازی منظور حسین اپنے ایک مخلص ساتھی ماسٹر عبدالعزیز کے ہمراہ ڈاک بنگلہ گیا......اور اس کی پیشانی پر پستول کا فائر کیا......ازاں بعد ماسٹر صاحب نے برچھیاں ماریں......اور گستاخ رسول علیہ السلام کھیم چند اپنے انجام کو پہنچ گیا......مقتول کے نزدیک اس کی بیوی سوئی ہوئی تھی......وہ بے گناہ تھی لہذا اسے چھوڑ دیا......اور یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے کہ :

"ہم نے توہین رسالت کا بدلہ لے لیا ہے......مسلمان ابھی اتنے بے غیرت نہیں ہوئے کہ تاجدار مدینہ کی بے عزتی پر چپ چاپ بیٹھے رہیں......دشمنوں سے نبٹنے کے لئے ابھی عاشقان رسول علیہ السلام زندہ ہیں"

گستاخ رسول علیہ السلام کو جہنم واصل کرنے کے بعد یہ سرفروش جہادی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے......ان کے عزائم بہت بلند تھے......اور وہ جہاد آزادی کشمیر کے لئے کام کرنا چاہتے تھے......سرفروش غازیوں کی یہ قلیل جماعت لکی مروت کے قریب ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھی کہ پولیس کو خبر ہو گئی......پہاڑ کا طویل سفر طے کرنے کی وجہ سے مجاہدین پر تکان غالب تھی......وہ ایک درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں گہری نیند سو گئے تھے......پولیس نے ان کو بیدار ہونے کا موقع ہی نہیں دیا اور بے خبری میں ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی......یوں ان مجاہدوں کی سعید روحیں عالم بالا کو پرواز کر گئیں......اور شہادت کا بلند مقام انہیں نصیب ہوا......یہ جولائی 1944ء کا واقعہ ہے۔

تحفظ ناموس رسالت کی چند اور کڑیاں :-

۱۔ بھوپال میں ایک گرلز ہائی اسکول کی انگریز ہیڈ مسٹریس نے حضور سید کائنات علیہ السلام کی شان اقدس میں نازیبا اور اشتعال انگیز الفاظ کہے۔ ایک غیرتمند نوجوان غازی محمد حنیف نے اس بد زبان عورت کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ اور خود تھانے میں حاضر ہو کر قتل کا اعتراف کر لیا۔ مقدمہ چلا اور سزائے موت پا کر یہ عاشق رسول علیہ السلام شہادت کے بلند مقام پر فائز ہوا۔

۲۔ موگہ ضلع فیروزپور (بھارتی پنجاب) کے ایک وٹرنری ہسپتال میں غازی محمد منیر ملازم تھا۔ جذبۂ عشق رسول علیہ السلام سے سرشار ہو کر ایک موقع پر تحفظ ناموس رسالت کے لئے آگے بڑھا۔ اور شاتم رسول علیہ السلام ہندو کو واصل جہنم کر دیا۔ مقدمہ چلا اور سزائے موت نے اس عاشق رسول علیہ السلام کو حیات جاودانی سے ہمکنار کر دیا۔

۳۔ ۱۲، ربیع الاول کا بابرکت دن تھا۔ مسلمان اپنے آقا و مولا علیہ السلام کے ظہور قدسی کا جشن منارہے

تھے۔ عید میلاد النبی ﷺ کا جلوس جہلم شہر کی سڑکوں سے گزر رہا تھا۔ قریب ہی سکھوں کی آبادی تھی۔ ایک بد باطن سکھ نوجوان آوازے کسنے لگا۔ اس نے زہر میں بجھے ہوئے چند فقرے کہے۔ اور سرور کونین ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ پاس ہی ایک غیرت مند مسلمان غازی غلام محمد کھڑا تھا۔ اس نے سکھ کو للکار کر کہا: "بے غیرت کتے اپنی زبان قابو میں رکھ ورنہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دوں گا۔ سکھ اپنی کمینگی سے باز نہ آیا اور پھر گستاخانہ الفاظ کہے۔ غازی غلام محمد نے اپنا چاقو اس کے سینے میں گھونپ دیا اور پے در پے وار کر کے شاتم رسول ﷺ کو جہنم رسید کر دیا۔ غلام محمد کی قربانی بارگاہ رسالت میں قبول ہوئی۔ اور وہ منصب شہادت پہ فائز ہو کر امر ہو گیا۔

۴۔ 1942ء میں لکھنؤ چھاؤنی میں ایک سکھ میجر ہر دیال سنگھ کو شعائر اسلامی کا مذاق اڑانے اور شان رسالت میں گستاخی کرنے پر ایک غیور مسلمان فوجی بابو معراج الدین نے قتل کر دیا۔

۵۔ منڈی بہاؤالدین کے گاؤں آہلہ میں ایک شاتم رسول ﷺ سکھ کو غازی محمد اعظم نے جہنم رسید کیا۔ بتایا جاتا ہے کہ غازی محمد اعظم بقید حیات ہے۔

۶۔ پکا قلعہ حیدر آباد سندھ میں قیام پاکستان سے فقط ایک برس پہلے 1946ء میں ہندو جن سنگھیوں کا ایک بڑا اجتماع ہوا۔ اس جلسہ میں ہندوؤں کے ایک گرو نینوں مہاراج نے شان رسالت میں گستاخانہ باتیں کیں۔ خبر پھیلی تو مسلمان تڑپ اٹھے۔ پچیس نوجوان حرمت رسول ﷺ پر اپنی جانیں نچھاور کرنے کا جذبہ لئے جلسہ گاہ پر حملہ آور ہوئے اور بے تحاشا لاٹھیاں برسانا شروع کر دیں۔ جلسہ میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس دوران نینوں مہاراج ایک شمع رسالت کے پروانے عبد الخالق قریشی کے سامنے آگیا جس نے بے غیرت ملیچھ کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا۔ گستاخ رسول ﷺ نینوں مہاراج تڑپ تڑپ کر جہنم رسید ہو گیا۔ اور جن سنگھی ہندو بد حواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

شدھی سنگھٹن اور آریہ سماجی تحریک کے اس بیس سالہ عرصہ میں شاتمِ رسول ﷺ کا یہ سیاہ دور حقیقت میں انگریزوں کی جلائی ہوئی آگ کا وہ الاؤ تھا جس میں شاتمان رسول ﷺ جلتے اور دوزخ کا ایندھن بنتے رہے۔ دوسری طرف شمع رسالت کے پروانے اس آگ میں والہانہ کودتے رہے اور شہادت سے ہمکنار ہو کر حیات جاوداں پاتے رہے۔

۴۔ گستاخ مولویوں کی دریدہ دہنی

بیسویں صدی کے ہندو ہی نہیں۔ کچھ کلمہ گو مولوی بھی ایسے تھے جو بارگاہ سرور کونین ﷺ میں شدید گستاخیاں کرتے رہے۔ انگریز نے رام کے پجاری ہی نہیں خریدے۔ بظاہر کلمہ پڑھنے والے چند مولوی بھی خریدے۔ اور ان سب کو الگ الگ محاذ...... الگ الگ انداز میں...... ایک ہی کام پر لگا دیا۔ محبوب خدا ﷺ کی توہین کے کام پر...... ستم ظریفی دیکھو کہ ایک طرف جو کام شردھانند کے چیلے "جن سنگھ" کے نام سے کر رہے ہیں۔

دوسری طرف وہی کام کلمہ گو شاتمانِ رسول ﷺ "صراط مستقیم" کے نام سے کررہے ہیں۔ اس طرف اگر تھو رام توہین رسالت میں لگا ہوا ہے۔ تو ادھر دہلی کا اسماعیل بھی یہی کچھ کررہا ہے۔ یہاں اگر چرن داس کی ہفوات ہیں...... تو وہاں اشرف علی کی خرافات۔ اور دونوں ہی میرے رسول ﷺ کے گستاخ ہیں۔ ادھر قادیان کا مرزا ختم نبوت کی جڑ کاٹ رہا ہے۔ تو ادھر مولوی قاسم نانوتوی بھی تاویل کی قینچی سے یہی کچھ کررہا ہے۔ اس محاذ پر رام پال اور اس محاذ پر خلیل احمد...... دونوں کا ایک ہی کام...... تصور سے اٹھا پالا مل...... تو واں بچرا ان سے حسین علی...... اور دونوں ہی گستاخ نبی ﷺ...... غرض میں کیا بتاؤں کہ بیسوی صدی میں انگریز کی دولت اور سازش نے اس ملت کی آغوش سے وہ فتنے اٹھائے کہ ابلیس بھی چودہ صدیوں میں ایسا نہیں کرسکا۔ نجد کے قرن الشیطان نے انگریز کی شہ پر جو کانٹے بوئے تھے۔ اس سے تھوڑے ہی عرصہ میں کیکر اور تھوہر کی گھنی فصل اگی ہے...... ادھر جزیرہ نما عرب میں بھی...... اور ادھر ہندوستان میں بھی...... اور جہاں جہاں یہ فصل اگی ہے...... وہاں وہاں فضا میں ہر سو زہر پھیل گیا ہے۔ محبوب خدا ﷺ کی توہین کا زہر۔ اگر زہریلی فصل کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو بیسویں صدی کے چند گستاخ مولویوں کی کتابیں اٹھاؤ...... ورق پلٹو...... اور دیکھو کہ ان میں کیسی کیسی دریدہ دہنی کی گئی۔

معاذاللہ نقل کفر، کفر نباشد، کوئی خدا کے محبوب ﷺ کو اپنے جیسا بتا رہا ہے...... حالانکہ خود محبوب خدا ﷺ نے فرمایا: ایکم مثلی کون ہے تم میں مجھ جیسا...... کوئی بدبخت کہتا ہے۔ معاذاللہ آپ ﷺ مر کر مٹی میں مل گئے۔ حالانکہ آپ ﷺ خود فرماتے ہیں: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء یعنی خدا نے مٹی پر انبیاء کے جسموں کو نقصان پہنچانا حرام کردیا ہے...... کوئی خبیث ہوتا ہے تو رسول ﷺ کے علم کو معاذاللہ جانوروں کے علم ایسا ٹھہراتا ہے۔ حالانکہ خدا اپنے محبوب ﷺ کے علم ناپید اکنار کی وسعت یوں آشکار کرتا ہے: عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الامن ارتضی من رسول"۔

"یعنی خدا کے پاس علم غیب ہے اور وہ اپنے غیب کا علم کسی کو تفویض نہیں کرتا سوائے اپنے اس برگزیدہ رسول ﷺ کے جس کی رضا وہ چاہتا ہے۔"

کوئی اور گستاخ آگے بڑھتا ہے تو دین میں رسول خدا ﷺ کے اختیار کی نفی کرتا ہے۔ حالانکہ خدا کا اپنا کلام ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کررہا ہے کہ...... یحل لھم طیبات و یحرم علیھم الخبائث۔ یعنی رسول ﷺ ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے اور خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں...... اور...... ما آتا کم الرسول فخذوہ وما نھا کم عنہ فانتھوا...... یعنی "جو کچھ تمہیں رسول ﷺ دے دیں اسے لے لو اور جس سے وہ روک دیں اس سے رک جاؤ"...... کیا دین اس کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے۔ ہرگز نہیں۔

میں تو بس دین کا مفہوم یہی سمجھا ہوں　　اپنے ہر کام میں آقا کی رضا کو دیکھو

کاروانِ عشق کا سالار......احمد رضا:-

یہ ابلیسی ترکش کے وہ چند تیر تھے جو کلمہ گو مولویوں کی گستاخ زبان سے چلائے گئے......اور جن کا ہدف ناموسِ رسالت تھی...... لیکن جس طرح ہندو شاتمان رسول ﷺ کو لگام دینے کے لئے خدا نے غازی علم الدین عبدالرشید، اور مرید حسین جیسے جاں نثار مجاہد آن کی آن میں کھڑے کر دیئے اس طرح ان گستاخ رسول ﷺ مولویوں سے نبٹنے کے لئے مشیت الٰہی نے ایک ایسی یگانہ روزگار ہستی کو ابھارا جو علم و فکر کے ہر میدان میں یکتا ہے......اور بیان و اظہار کے ہر اسلوب پر حاوی...... جو فہم و ادراک کے ہر گوشے میں اپنے معاصرین پر فائق ہے ......اور جذبہ و احساس کی ہر منزل میں سب سے آگے...... جس کا وجود ہمارے لئے عزم و ہمت کا استعارہ ہے اور جس کی شخصیت ہمارے لئے رہنمائی کا خزانہ...... جس کا باطن عشق رسول ﷺ سے معمور ہے......اور جس کا ظاہر اسوۂ رسول ﷺ سے پر نور...... یہ ہے بیسویں صدی کا وہ سب سے پاکیزہ وجود جسے دنیا امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے پہچانتی ہے......احمد رضا کا خمیر عشق مصطفی ﷺ میں گندھا ہے......اس کا پیکر اسی سانچے میں ڈھلا ہے...... اس کے وجود کا محور یہی ہے......وہ خود کہتا ہے میرا دل چیر کے دیکھو اس میں نام محمد ﷺ لکھا ہے...... احمد رضا کے خون میں عشق نبی کی حدت ہے...... اس کی نبضوں میں ارتعاش اسی سے ہے......اور جذبوں کا ارتکاز اسی پہ...... اس کے علم و فکر کا حاصل...... اس کا دین ایمان یہی ہے......احمد رضا کا دل دھڑکے تو یہی نام ابھرتا ہے...... پلکیں اٹھیں تو یہی جلوہ ڈھونڈتی ہیں......اور لب ہلیں تو یہی پکار گونجتی ہے

کروں تیرے نام پہ جاں فدا ، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا ، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

احمد رضا کا وجود بیسویں صدی میں امت مسلمہ کے لئے خدا کا خاص تحفہ ہے۔ ادھر ابلیس نے اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا...... ناموس رسالت کی بے حرمتی کا تیر......اور ادھر مشیت الٰہی نے احمد رضا کو عشق رسول ﷺ کا پیکر بنا کر سامنے کھڑا کر دیا...... وہ دیکھو احمد رضا بریلوی توہین رسالت کے مجرموں کے آگے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے ہیں......اور بد زبان مولویوں کو للکار کر کہہ رہے ہیں...... "خدارا میرے آقا ﷺ کی توہین کرنا چھوڑ دو اور ان کی جگہ مجھے گالیاں دیتے رہو" احمد رضا تیری خوش نصیبی پر زمانہ ناز کرے گا...... خدا نے جس کام کے لئے تجھے چنا ہے اس سے بڑا کوئی کام اس دھرتی کے سینے پر کسی امتی سے ممکن نہیں...... تو گستاخان رسول ﷺ کے سروں پر لٹکتی ہوئی تلوار ہے۔ تو عشق مصطفی ﷺ کا نقیب ہے......اور ناموس رسالت کا پاسباں...... تو اٹھا تو امت مسلمہ کو نئی اٹھان ملی...... تو چلا تو سارا زمانہ تیری راہ پر چلا...... تو نے وفا کا درس دیا...... اپنے آقا ﷺ کی وفا کا درس...... تو نے شعور دیں بانٹا...... تیرا شعور دیں یہ ہے

خدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر، مقر
جو وہاں سے ہو، یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

یہ شعور دین پھیلا...... تو گستاخان رسول ﷺ جان ہارنے لگے...... کہیں علم الدین شہید غازی بن کر اٹھا...... کہیں مرید حسین اور عبد القیوم...... کہیں محمد صدیق مجاہد بن کر ابھرا...... کہیں عبد الرشید اور میاں محمد...... یوں توہین رسالت کی وہ تحریک جو کلمہ گو مولویوں کی جسارت سے کفار میں پھیل رہی تھی، دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ گئی...... اما احمد رضا کا پیغام عشق بر صغیر کی پوری فضا میں گونج رہا تھا...... اور شمع رسالت کے پروانوں کو گرما رہا تھا...... اس حرارت ایمانی کے فیض سے جگہ جگہ کے پروانے اپنے آقا ﷺ کی ناموس پر جان نچھاور کر رہے تھے...... ایک طرف جان نثاری کے یہ حسین منظر ہیں اور دوسری جانب علم و عرفان کی وادیوں میں عشق مصطفی ﷺ کے گلزار مہکنے لگے...... احمد رضا کے سینے میں گداز عشق کی بجلیاں بھری ہیں...... اور وہ ان بجلیوں کی حرارت ہر سو بانٹ رہا ہے...... کبھی "کنز الایمان" کی صورت...... کبھی "الدولة المكية" کے روپ میں کبھی "فتاویٰ رضویہ" کے رنگ میں...... اور کبھی "حدائق بخشش" کے آہنگ میں...... کیا آپ نہیں دیکھتے کہ دنیا کے گوشے گوشے میں جہاں بھی کوئی اپنے آقا ﷺ کو یاد کرتا ہے...... احمد رضا کے لہجے سے ہمکنار ہو جاتا ہے...... احمد رضا نے اپنے آقا کے حضور کچھ ایسے جذبوں کا نذرانہ پیش کیا ہے کہ...... آج بحر و بر، دشت و جبل میں ہر سو اس کی گونج سنائی دے رہی ہے۔ ؎

مصطفی جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

لوگ احمد رضا کو اپنے عہد کا مجدد کہتے ہیں...... اور میں اسے آنے والے ہر دور کے لئے اپنے "رسول ﷺ کا معجزہ" سمجھتا ہوں...... لوگ اسے فاضل بریلوی پکارتے ہیں...... اور میں اسے "آیت الٰہی" دیکھتا ہوں...... لوگ اسے فقیہ و عالم ٹھہراتے ہیں...... اور میں اسے "فہم دین میں حجت" گردانتا ہوں...... اور صرف اس لیے گردانتا ہوں کہ امام احمد رضا نے فہم دین کی اساس عشق مصطفی ﷺ پہ اٹھائی ہے...... اور تعبیر شریعت کا محور نسبت مصطفی ﷺ کو بنایا ہے...... اور یہی خدا کا منشا ہے...... سارے قرآن کا جوہر یہی ہے...... اور علم و عرفان کا حاصل یہی۔

۵۔ روشن خیالی کے فتنے

انگریز بر صغیر میں اکیلا نہیں آیا...... اپنی تہذیب و ثقافت کے سب فتنے ہمراہ لایا تھا...... مغربی تہذیب بنیادی طور پر مادیت، اباحیت اور سیکولرزم کے عناصر سے مرکب ہے...... دین، روحانیت اور لطافت سے یکسر عاری...... خدا، آخرت اور نبوت سے اس کا کوئی رشتہ نہیں...... جب یہ مادی تہذیب ہندوستان پر حملہ آور ہوئی تو یہاں کے غلامانہ ماحول میں بہت تیزی سے اپنے لئے جگہ بناتی گئی...... یہ مسلمانوں کے زوال و انحطاط کا دور تھا...... امت مسلمہ اپنے اصل مقام و منصب سے محروم ہو چکی تھی...... عالم اسلام کے ہر افق پر نکبت و ادبار کے

منحوس سائے پھیلے ہوئے تھے...... بر صغیر مکمل طور پر برطانوی سامراج کے تسلط میں جا چکا تھا...... اور مسلمانوں کے دینی، علمی اور تہذیبی چراغ کی لو مدھم ہو چکی تھی...... اس ہمہ گیر یاس و قنوط کے عالم میں بر صغیر کے مسلمان بالخصوص اور پورا عالم اسلام بالعموم مغرب کی تازہ دم تہذیب کے آگے جھکنے پر مجبور تھا...... مغربی تہذیب جہاں بھی گئی روشن خیالی کا فتنہ ساتھ لے کر گئی...... چنانچہ مسلمان بھی اس فتنے کا شکار ہوئے...... اور عالم اسلام میں ہر طرف روشن خیالی کا اندھیرا چھا گیا...... اور جب روشن خیالی کا اندھیرا پھیلتا ہے تو انسان کے اندر سے محبت، لطافت اور روحانیت کے اجالے رخصت ہو جاتے ہیں...... جذبوں کی حرارت راکھ ہو جاتی ہے اور وفا کی خوشبو میں زہر گھل جاتا ہے...... اور یہی کچھ بیسویں صدی میں ہوا...... چنانچہ روشن خیالی کا فتنہ پھیلتا گیا...... اور جدید تعلیم و تہذیب کے حلقے سے عشق رسول ﷺ کے لطیف جذبے رخصت ہونے لگے۔

بزعم خود مہذب اور تعلیم یافتہ لوگوں کو محبت رسول ﷺ کی باتیں عجیب، فرسودہ اور دقیانوسی نظر آنے لگیں...... کالج یونیورسٹی کی دنیا مہذب، روشن خیالی اور جدت پسند دنیا بن گئی...... اس دنیا میں پلنے والے اپنے ماضی سے کٹ گئے...... بلال حبشی اور اویس قرنی انہیں اجنبی نظر آنے لگے...... وہ اسلام کو بس ایک نظام، تمدن اور کلچر کی حیثیت سے دیکھنے لگے...... اسلام کی روحانیت، لطافت اور جذبوں کی روایت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی...... یہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لوگ تو خیر انگریز کے براہ راست تربیت یافتہ تھے...... انہیں کیا کہیں...... لیکن ستم کی انتہا ہے کہ مدرسوں کے مولوی اور خانقاہوں کے پیر بھی نئے نئے نعرے ایجاد کرنے لگے...... ایک سب سے خطرناک اور بھیانک نعرہ یہ لگایا گیا کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہمارا تعلق صرف عقلی اور تعلیماتی ہونا چاہیے...... بالاکوٹ سے لیکر تھانہ بھون تک ہر مولوی ایک ہی لے میں شور مچا رہا ہے کہ "حضور ﷺ کے ساتھ عقلی محبت ہونی چاہئے، طبعی محبت نہیں"...... طبعی محبت کیا ہے...... قلبی، روحانی، جذباتی اور نفسیاتی محبت...... یہ گستاخ مولوی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ امت کا روحانی، قلبی اور جذباتی رشتہ توڑنا چاہتے ہیں اور صرف عقلی تعلق تک محدود رکھنا چاہتے ہیں...... عقلی تعلق یہ ہے کہ حضور ﷺ کا محبوب ہونا شریعت کا حکم اور مطالبہ سمجھ کر مجبوراً مانا جائے...... لیکن یہ محبت روح و دل کی گہرائیوں میں نہ اترنے پائے...... اور جذبوں میں نہ ڈھلنے پائے...... حضور ﷺ کو محبوب مانا جائے...... محبوب بنایا نہ جائے...... محبوب ماننے اور محبوب بنانے میں گہرا فرق اور بہت فاصلہ ہے...... اور یہ فرق بیسویں صدی کے ان روشن خیال مولویوں اور مسٹروں نے پیدا کیا ہے...... یہ لوگ اطاعت رسول ﷺ پر بہت زور دیتے ہیں...... اور محبت رسول ﷺ سے گریز کرتے ہیں...... جبکہ محبت پہلی شرط ہے...... اور اطاعت تو صرف وہی مقبول ہے جو محبت سے پیدا ہو...... محبت کے بغیر اطاعت تو محض کافرانہ نقالی ہے...... اس سے زیادہ کچھ نہیں...... خدا کو اپنے رسول ﷺ کے اعمال و افعال کی مجرد نقل نہیں چاہئے...... کہ یہ نقل تو غیر مسلموں کے ہاں بھی کافی حد تک موجود ہے...... اصل مقصود ان اعمال کی انجام دہی میں رسول ﷺ کی طرف توجہ دھیان اور آپ ﷺ کے تصور کی حرارت ہے عشق رسول ﷺ کی اسی حرارت کا

نام ایمان ہے ؎

زندگی کچھ نہیں، تیری اطاعت کے بغیر　　　اور بے روح اطاعت ہے، محبت کے بغیر

محبت سے عاری دین کی تعبیر :-

بیسویں صدی کی روشن خیالی نے یہ بہت بڑا فتنہ پیدا کیا کہ دین کی وہ تعبیر اختیار کی جس میں سرے سے محبت رسول ﷺ کا تصور ہی موجود نہ تھا۔ ان کی نظر میں دین حضور ﷺ کے لائے ہوئے احکام اور تعلیمات کا مجموعہ ہے......اور بس...... جب دین احکام و تعلیمات تک محدود ہو گیا...... تو ذاتِ رسول ﷺ سے ہمارا تعلق اور رشتہ ٹوٹ گیا...... یہ تو ایسا ہی ہے کہ گویا ہمیں کسی دیوار میں لکھے ہوئے چند احکام اور ہدایات مل جائیں......اور ہم ان پر عمل کرنے لگ جائیں...... دیوار سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہو...... ان لوگوں نے دین کی تبلیغ، نشر و اشاعت، تعلیم و تربیت اور تصنیف و تالیف کو بہت اہمیت دی۔ مگر ذکر رسول ﷺ ...... تصور رسول ﷺ ...... درود پاک ...... نعت رسول ﷺ ......اور محبت رسول ﷺ سے گریز کا رویہ اپنایا...... محفل میلاد کی مخالفت کرنا...... حضور ﷺ کے ذکر سے بے لطف ہونا...... درود پاک بس مجبوراً ہی پڑھنا...... تعظیم رسول کو شرک ٹھہرانا...... نماز میں رسول ﷺ کا خیال آنے سے نماز کو باطل قرار دینا......اور نعت رسول ﷺ سے رغبت نہ رکھنا...... یہ سب ان گستاخ لوگوں کی گندی ذہنیت کی علامات ہیں...... رسول ﷺ کا ذکر، تصور اور نعت محض رسمی چیزیں نہیں ہیں ...... یہ تو محبت رسول ﷺ کے انتہائی پاکیزہ اور مقدس اظہار کی شکلیں ہیں...... ایسا اظہار جس کی الہامی شکل قرآن ہے......اور جسے خود نبی کریم ﷺ نے دین کا حصہ بنا دیا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو اپنے منبر پر بٹھا کر نعت سنی اور دعاؤں سے نوازا...... حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے نعت سنی اور چادر عنایت فرمائی...... یہاں سے نعت اہل ایمان کی سرشت میں داخل ہو گئی......اور محبت رسول ﷺ کی پہچان بن گئی...... یہاں تک کہ شیخ ابن تیمیہ جیسا آدمی بھی جو قبر انور کی زیارت کو بدعت سمجھتا ہے، یہ کہے بغیر نہ رہ سکا کہ "قیام المدیح للنبی ﷺ قیام للدین و ضیاعه ضیاع اللدین"۔

یعنی حضور اکرم ﷺ کی مدح و ثنا اور نعت کا اہتمام کرنا خود دین کو قائم کرنا ہے اور اسے ضائع کر دینا سرے سے دین ہی کو ضائع کرنا ہے۔

نعت...... معراج محبت :-

بات یہ ہے کہ دین بارگاہ رسول ﷺ تک رسائی کا ذریعہ ہے......اور نعت اس رسائی کا موثر ذریعہ ہے...... نعت درود پاک کی ایک صورت اور مذہبی شاعری کی معراج ہے...... نعت میں رسول ﷺ کا ذکر، تصور، یاد اور محبت سب کچھ موجود ہے...... نعت کے بغیر دین محض ایک زہد و تقشف بن کر رہ جاتا ہے......اور مجھے تو یہ بات کسی

طور سمجھ نہیں آتی کہ ایک مسلمان نعت کے بغیر جی کیسے سکتا ہے۔

وہ دل جو نعت محمد ﷺ سے فیضیاب نہیں
کتاب جہل ہے جس کی کوئی اساس نہیں

چنانچہ بیسویں صدی میں ایک طرف یہ گستاخ مولوی اور روشن خیال بے دین لوگ تھے۔ جو عشق رسول ﷺ اور نعت مصطفی ﷺ سے بیزاری پھیلا رہے تھے......اور دوسری جانب عاشقان رسول ﷺ قطار اندر قطار نعت کا پرچم تھامے ہر طرف پھیلتے جارہے تھے......اس صدی میں نعت رسول ﷺ نے بہت فروغ پایا...... یہ گستاخ مولوی نعت سے لوگوں کو دور کرنے میں جتنی زیادہ محنت کررہے تھے...... لوگ اتنا ہی زیادہ نعت کے قریب تر آتے چلے گئے......یہ سب نام محمد ﷺ کی کشش ہے......کائنات کی ہر کشش سے زیادہ۔

لب پہ نام آتا ہے، روح مسکراتی ہے
زندگی بہاروں میں ڈوب ڈوب جاتی ہے

نعت کہنے، نعت پڑھنے اور نعت سننے کا ذوق و شوق اور رجحان جتنا اس صدی میں پھیلا ہے......اس کی مثال پچھلی کسی صدی میں نہیں ملتی...... صرف نعت گو شعراء کی فہرست بنائی جائے تو ہر سال اوسطاً ایک ہزار نئے شعراء پیدا ہوتے رہے ہیں......میں بیسویں صدی کے نصف اوّل کی بات کروں تو اتنے بڑے بڑے قدآور شعراء نعت گوئی میں مگن دکھائی دیتے ہیں کہ حیرت ہونے لگتی ہے آخر نعت سے بیزار مولویوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ساتھ نعت کے عاشقوں اور دیوانوں کی تعداد کیوں بڑھتی چلی گئی...... الطاف حسین حالی، امیر مینائی، حسن رضا بریلوی، ذکی دہلوی، محسن کاکوروی، تسیم بھرت پوری، جلال لکھنوی، وفا رامپوری، مظفر الدین، محمد عمر، تسلیم لکھنوی، رعب انصاری، ممتاز جہاں، عزیز صفی پوری، فصاحت لکھنوی محمد علی جوہر، فیروز طغرائی، نظم طباطبائی، بیدم وارثی، اصغر گونڈوی، ریاض خیرآبادی، احسن مارہروی، مجذوب سہارنپوری...... نہ جانے کتنے دل ہیں جو نعت کی خوشبو سے مہک رہے ہیں اور بقول داغ دہلوی۔

دونوں جہاں ہیں بوئے محمد ﷺ سے عطربیز
کونین میں ہے رنگ فقط ایک پھول کا

نعت کے اس کارواں میں آغا حشر کاشمیری، خوشی محمد ناظر، علامہ تاجور نجیب آبادی، شبلی نعمانی، حکیم احمد شجاع مولانا عبدالباری، وحید الدین، ظفر علی خان، جوش ملیح آبادی، احسان دانش، سید آل رضا، جگر مرادآبادی، سراج لکھنوی، اکبر الہ آبادی، شوق قدوائی، نذیر احمد، شاد عظیم آبادی اور نیاز فتح پوری جیسے لوگ شامل ہیں...... اور ان سب کا عقیدہ بقول نیاز فتح پوری یہی ہے۔

وہی ہے اپنا آقا اور وہی مالک ہمارا
الٰہی کا دین و دنیا میں فقط ہم کو سہارا ہے

نعت گو شعرا کا احاطہ کرنا تو ناممکن ہے اور میں تو ویسے بھی کوئی فہرست نہیں پیش کررہا...... میں ایک جھلک دکھا رہا ہوں...... بیسویں صدی کے نصف اوّل کی...... اقبال اور احمد رضا...... اگر بیسویں صدی میں صرف یہی دو نام ہوتے...... تب بھی نعت کی تاریخ مکمل تھی...... ایک اس تاریخ کا سر عنوان ہے...... اور دوسرا حرف آخر

......ایک نعت رسول ﷺ کا مطلع ہے......اور دوسرا اس کا مقطع......اور دونوں کا اپنا اپنا رنگ ہے......اور دونوں عشق مصطفی ﷺ میں ایک جان ہے۔

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

بیسویں صدی میں نعتِ رسول ﷺ کا یہ کاروان مشیت الٰہی نے بطور خاص اٹھایا...... تاکہ روشن خیالی کے فتنے کا سدباب ہو سکے......روشن خیالی محبت سے بھاگتی ہے......اور نعت محبتِ رسول ﷺ کی انتہا ہے......اس طرح جوں جوں نعت پھیلتی ہے...... محبت بڑھتی جاتی ہے......اور روشن خیالی کے اندھیرے چھٹتے چلے جاتے ہیں ......روشن خیالی طبیعت کو ذات رسول ﷺ سے دور کرتی ہے......اور نعت اسے واپس دہلیز مصطفی ﷺ پر لا کر ڈال دیتی ہے......روشن خیالی اطاعت رسول ﷺ کو محض کافرانہ نقالی میں بدل دیتی ہے...... جبکہ نعت سے محبت جنم لیتی ہے اور محبت سے حقیقی اطاعت ابھرتی ہے......روشن خیالی حضور ﷺ سے عقلی تعلق کی بات کرتی ہے ......اور نعت اس تعلق کو روح کی گہرائیوں میں انڈیل دیتی ہے......اور یہی تو زندگی کا مقصد ہے اور دین کا حاصل ہے کہ...... محمد ﷺ کیساتھ عشق و محبت کا خالص جذباتی رشتہ استوار کیا جائے......انہیں اپنا محبوب بنا لیا جائے ......اور خود ان کے عاشق زار بن جائیں......یوں کہ دل کی دھڑکنوں میں وہی بسے ہوں......اور روح کی پاتال میں انہی کا نور جگمگائے......سانسوں کی تپش میں وہ ہوں...... نبضوں کے ارتعاش میں وہ...... چہرے کی شادابی......اور من کا گداز انہی سے ہو...... پیاس وہی...... سیرابی وہ ہوں...... درد وہی......شفا بھی وہ ہوں...... لب کھلیں تو انہی کا نام ابھرے......اور زبان ہلے تو انہی کا ذکر پھیلے......آنسو بہیں تو انہی کے درد کی رم جھم ہو......اور تبسم انہی کے پیار کی خوشبو...... رتجگے انہی سے ہوں......اور ریاضتیں انہی کے نام...... علم و فکر کا حاصل وہ ہوں...... حسن عمل کا محور وہ...... سب رشتے تعلق انہیں سے ہوں......اور بغض و محبت انہیں کے ناطے......جان و مال نثار ہوں ان پر ......جینا مرنا انہی کی خاطر......بس یہی محبت ہے......یہی ایمان......اور یہی نعت رسول ﷺ کا فیضان ہے۔

دین وہی، دین کا عرفان وہی، برہان بھی وہی منزل زیست وہی زیست کا ساماں بھی وہی

یہ سب عشق رسول ﷺ کا امتحان تھا

یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے......اور خدا ہمیشہ اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے...... کس چیز کا امتحان...... سچائی اور کھرے پن کا......ایمان کی سچائی...... عمل کی سچائی...... جذبوں کی سچائی......ارادوں کی سچائی...... محبت کی سچائی ......اور وفاؤں کی سچائی...... قرآن میں رب کا دو ٹوک اعلان ہے :

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون (العنکبوت : ۲)

"کیا لوگ اس گمان میں کھوئے ہیں کہ وہ کہہ دیں گے ہم ایمان لائے اور چھوڑ دیئے جائیں گے، بغیر اس کے کہ انہیں آزمایا جائے۔ (نہیں بلکہ وہ خود پرکھے جائیں گے)

پس خدا نے ہر انسان، ہر صاحب ایمان کو آزمایا ہے...... ہر فرد، ہر قوم کو آزمایا ہے...... ہر میدان، ہر محاذ پر آزمایا ہے...... ہر رنگ، ہر آہنگ میں آزمایا ہے...... ہر انداز، ہر معیار پر آزمایا ہے...... ہر راہ، ہر منزل پر آزمایا ہے ...... ہر سوچ، ہر عمل میں آزمایا ہے...... ہر کیف وکم میں آزمایا ہے...... اور جس کو جتنا آزمایا ہے، اسے اتنا ہی نوازا ہے ...... بشر طیکہ وہ امتحان میں پورا اترا ہو...... امتحان تو دنیا میں بے شمار ہیں...... پر سب سے بڑا امتحان، عشق کا امتحان ہے...... سب سے انوکھا اور سب سے کڑا امتحان بھی یہی ہے...... او کیوں نہ ہو سب سے اعلی مقام بھی تو عشق کا ہے...... جتنا اونچا مقام ہے، اتنا ہی کڑا امتحان بھی ہے...... پھر سچا عشق تو ایک ہی ہے...... کون سا؟...... آپ کہیں گے خدا کا عشق...... لیکن سنئے خود خدا کیا کہتا ہے...... قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی:

"اے مرے محبوب ﷺ دنیا والوں سے کہہ دو! اگر خدا سے محبت کرتے ہو تو محمد ﷺ کے پیار میں ڈوب جاؤ۔" (خدا کی محبت اسی عشق مصطفیٰ ﷺ میں ملے گی)

معلوم ہوا کہ خدا کی نظر میں سچا عشق تو صرف ایک ہی ہے...... وہ ہے محبوب خدا ﷺ کا عشق...... جس کے سینے میں عشق مصطفیٰ ﷺ نہیں ہے...... اگر وہ خدا کے عشق کا دعوی کرے تو اس سے بڑا جھوٹا اور کوئی نہیں ہے...... یہ میرا، آپ کا نہیں، خود رب کائنات کا فیصلہ ہے...... جب یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ سچا عشق صرف محبوب خدا کا عشق ہے...... تو ساتھ ہی یہ بھی کھل گیا کہ سب سے بڑا امتحان بھی عشق مصطفیٰ ﷺ کا ہے......

خدا نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو سب سے پہلے عشق مصطفیٰ ﷺ کا امتحان لیا...... آدم سے بھی...... فرشتوں سے بھی...... اور ابلیس سے بھی...... آدم اور فرشتے سرخرو نکلے، ابلیس ناکام ہوا...... اور تا ابد راندۂ بارگاہ ٹھہرا...... پھر یہ امتحان ہر نبی اور اس کی امت سے لیا جاتا رہا...... ہر نبی اپنی امت کو اس امتحان سے آگاہ کرتا رہا...... تا آنکہ بطحا میں بنی اسماعیل اور یثرب میں بنی اسرائیل سے یہ امتحان لیا گیا...... اس اعلان کے ساتھ کہ: "جو میرے محبوب ﷺ کی غلامی میں آئے گا بس وہی نجات پائے گا۔"

خدا کا یہ اعلان اس کی آخری کتاب قرآن مجید میں صفحہ صفحہ، سطر سطر پر چمک رہا ہے...... میں اس وقت کم از کم چھ سو آیات اس اعلان پر مشتمل آپ کو سنا سکتا ہوں...... لیکن بس حرف آخر یہ ہے کہ "ان تطیعو تھتدوا" "اگر اس (رسول) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے" اور "ومن یتبغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ" (جو شریعت مصطفیٰ سے ہٹ کر کسی اور دین کو اپنائے گا تو اس کی طرف سے کوئی چیز قابل قبول نہیں ہو گی)

پھر جو محبوب خدا ﷺ کے حلقۂ غلامی میں آگئے...... ان کے عشق کا امتحان شروع ہو گیا...... ابوبکر کو واقعۂ معراج سنا کر...... عمر کے آگے تورات رکھ کر...... عثمان کو طواف کعبہ کے لئے بلا کر...... علی کو نماز عصر چھڑا کر ...... سلمان کو بستی بستی گھما کر...... زید کو ماں باپ کی کشش دکھا کر...... بلال کو تپتی ریت پر لٹا کر...... آل یاسر کو تڑپا تڑپا کر...... خباب کو سولی پر چڑھا کر (رضوان اللہ علیہم اجمعین)...... غرض یہ کہ خدا نے ہر صحابی، ہر مومن

کو آزمایا...... اور جسے عشقِ رسول میں جتنا آگے پایا، اسے اتنا ہی اونچا مقام عطا فرمایا...... اسلام کی پوری تاریخ، اسی عشقِ رسول ﷺ کے امتحان کی تاریخ ہے...... امت مسلمہ چودہ صدیوں سے امتحان گاہِ عشق میں ہے...... اور قیامت تک اسی امتحان گاہ میں رہے گی...... پھر کیوں نہ میں کہوں کہ :

"بیسویں صدی امتحان عشقِ رسول ﷺ کی صدی ہے"

ذرا بیسویں صدی کی تاریخ کو پڑھیے...... واقعات کا تسلسل دیکھئے...... حالات کے نشیب و فراز میں جھانکئے...... زندگی کی پاتال میں اتریئے...... افراد کو جانچئے...... ملت کو پرکھئے...... قدم قدم اسی امتحان عشق کا سفر طے ہوتا نظر آئے گا...... لمحہ لمحہ اسی آزمائش میں گزرتا محسوس ہوگا...... اور نفس نفس اسی ابتلاء کا گداز ہوگا...... دیکھئے بیسویں صدی کا سورج چمکتے ہی خدا نے قادیان کے مرزا غلام احمد کو عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کے سامنے امتحان بنا کر کھڑا کر دیا...... 1901ء تک مرزا خود کو مہدی اور مسیح موعود کہتا رہا...... 1901ء میں برملا اس نے اپنے نبی ہونے کا دعوی کر دیا اور یہ دعوئ خاتم الانبیا، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ماننے والے ہر مسلمان کے جذبہ عشق کا امتحان تھا...... مرزا کے خبیث ذہن کی سازش، اس کے وجود کی ہر حرکت اور اس کی زبان کی ہر جنبش اصل میں محبت کا امتحان بن گئی...... وہ جب تک زندہ رہا اس کی ہر سانس محمد مصطفیٰ ﷺ کے دیوانوں کا امتحان تھی...... اور جب وہ خبیث مر گیا تو اس کی ہر یادگار ہمارے جذبۂ عشقِ رسول ﷺ کے لیے سراپا چیلنج بن گئی...... اور جب تک اس دھرتی کے سینے پر ایک بھی مرزائی سانس لیتا رہے گا اہل محبت کا امتحان باقی رہے گا......

ہندوستان میں انگریز آئے تو اپنے ساتھ توہین رسالت کا بہت سامان لیکر آئے...... سلطنت روما کی شکست کا انتقام، قرونِ وسطیٰ کا تعصب، صلیبی جنگوں کا بغض و عناد، مستشرقین اور ان کی علمی خیانت، مستغربین اور ان کی ہفوات، عیسائی مشنری اور ان کی سازشیں، استعماری اسکیمیں اور فرنگی جاسوس، سامراجی ایجنٹ اور بدیسی نظام، مغربی ادارے اور کلچر...... انگریزوں کے پاس جو کچھ تھا، اس سب کا ہدف...... اور واحد ہدف Target...... بس ناموس رسالت ہی تھی...... وہ یہاں آئے ہی اس لئے تھے کہ اس خطے کے غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کو ان کے آقا سے دور کر دیں...... گنبد خضرا کو ان کی نگاہوں سے اوجھل کر دیں...... مصطفیٰ ﷺ کی سیرت و سنت سے ان کا رشتہ توڑ دیں...... ان کے سینوں سے روحِ مصطفیٰ ﷺ نکال دیں...... پھر انہوں نے جو کچھ بھی کیا اس مقصد کے تحت کیا...... انہوں نے کتابیں لکھیں تو ولیم میور کی "Life of Mohammad" سے لیکر سلمان رشدی کی "Satanic Verses" تک حرف حرف عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کے جگر چھلنی کر گیا......

مستشرقین اور ان کے گماشتوں کا لکھا ہوا ہر لفظ اہل محبت کا امتحان ہے...... خدا نے انگریزوں کو عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کا امتحان بنا کر کھڑا کر دیا...... اور یہ امتحان بہت ہی کڑا تھا...... بڑے بڑے مسلمان دانشور اور لمبی لمبی داڑھیوں اور جبہ و دستار والے مولوی انگریزوں کے ہاتھ بک گئے...... اور توہینِ مصطفیٰ ﷺ کے غلیظ مشن پر لگ

گئے...... ہر وہ شخص جس نے قلم اٹھایا اور سیرتِ مصطفیٰ ﷺ میں کمی یا کجی کے پہلو ڈھونڈے بالیقین وہ انگریزوں کا ایجنٹ اور عاشقانِ رسول ﷺ کا امتحان تھا...... چاہے وہ کسی مدرسہ کا مہتمم، کسی مسجد کا امام، کسی مجلس کا واعظ یا کسی خانقاہ کا مرشد تھا، بہر حال تنقیص رسالت میں جس نے بھی زبان ہلائی یا قلم چلایا وہ ملعون اس امتِ بیضا کی تاریخ کو داغدار کر گیا...... اور عاشقانِ رسول ﷺ کیلئے رہتی دنیا تک امتحان بن گیا۔

انگریز بر صغیر میں اترا تو اسے یہاں دو قومیں نظر آئیں، ایک ہندو اور دوسری مسلمان...... انگریز نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں قوموں کو باہم لڑاتا رہے گا اور خود ان پر حکومت کرتا رہے گا...... بس پھر کیا تھا...... انگریز نے ہندو مسلم لڑائی شروع کروا دی...... اور مسلمان کے خلاف سب سے بڑی لڑائی اس کے آقا و مولا ﷺ کی عزت و ناموس پر حملہ ہے...... اور انگریز نے ایسے ہندو ڈھونڈ لئے جو سرورِ کائنات محسن انسانیت ﷺ کی ناموسِ اطہر پر حملے کرنے لگے۔ کہیں راجپال سامنے آیا اور کہیں نتھو رام...... کہیں چرن داس اٹھا اور کہیں پالا مل سُنار...... کہیں چیچل سنگھ بڑھا اور کہیں رام گوپال...... کہیں نینوں مہاراج ابھرا اور کہیں لیکھ رام...... غرض یہ کہ شردھانند اور اسکے چیلے میرے آقا و مولا رحمت دو جہاں ﷺ کی توہین کرتے رہے...... اور اہلِ عشق و محبت کیلئے امتحان گاہ سجاتے رہے......

ایک طرف یہ ہندو شاتمانِ رسول ﷺ تھے...... اور دوسری طرف خود مسلمانوں کے اندر سے غدار نکلتے رہے...... ایسے غدار جن کے سینوں میں خدا کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلاف بغض بھرا ہوا تھا...... یہ لوگ حقیقت میں مسلمان نہیں، بس کہلواتے ہیں...... اور بیسویں صدی میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں...... یہ نام نہاد مسلمان جن میں مولوی بھی تھے اور دانشور بھی، عاشقانِ رسول ﷺ کے لیے امتحان بنے رہے...... ذرا تصور کیجئے اس مولوی کا جو منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر دھاڑا کہ "اس زمانے میں قومیں مذہب سے نہیں وطن سے بنتی ہیں، اس لئے ہندوستان میں بسنے والے ہندو مسلم سب ایک قوم ہیں" علامہ اقبال نے اس شخص کو محمد عربی ﷺ کا باغی اور گستاخ کہا...... اسے برملا چیلنج کیا اور اسے اُسکے چیلوں کو "بولہبی" کے بھیانک انجام سے ڈراتے ہوئے پوری امت کو یہ پیغام دیا......

مصطفیٰ برساں خویش کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

بیسویں صدی عاشقانِ رسول ﷺ کے لیے صرف یہی امتحان لے کر نہیں آئی...... اور بھی عشق رسول ﷺ کے بہت سے امتحان تھے...... انکارِ سنت کا فتنہ، مرزائیت کے بعد اس عہد کا ایک اور بھیانک فتنہ تھا...... اسی طرح ذکرِ رسول ﷺ سے بیزاری، تنقیصِ رسالت کا شیوہ، مطالعۂ سیرت سے گریز، نعتِ رسول ﷺ سے انحراف، عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی تحقیر، محفلِ میلاد کو بدعت کہنا، درود پاک کی فضیلت گھٹانا، محبت کے بغیر اطاعت کی تحریک چلانا، یہ سب بیسویں صدی کے ابلیسی فتنے ہیں...... اور انہیں توہین رسالت کے سوا اور کیا نام دیا جاسکتا

ہے...... توہین رسالت کے یہ سارے فتنے عاشقان مصطفیٰ علیہ السلام کا امتحان تھے...... اور یہ امتحان ختم نہیں ہوا...... بلکہ ابھی جاری ہے...... اور نہ جانے کب تک جاری رہے گا......

امتحان عشق میں امت سرخرو ٹھہری

خدا کا شکر ہے امت سرخرو ٹھہری...... اس امتحان عشق رسول علیہ السلام میں...... اور خاص طور پر بر صغیر کے مسلمان بیسویں صدی کے ہر طلوع ہوتے سورج کی پہلی کرن، ہر ڈھلتے شام کی آخری لو، ہر شب چاند کی سندر کومل چاندنی، ہر فصلِ بہار کی شادابی، ہر کھلتے پھول کی رعنائی، ہر بہتے دریا کی روانی، ہر چہچہاتے طائر کی نغمہ خوانی، ہر چہرۂ جمال کی تابانی، ہر خاموش روح کی ترنگ اور ہر دھڑکتے دل کی امنگ...... اس بات کی شہادت دے گی کہ رحمت کائنات سرورِ دو جہاں علیہ السلام کے غلاموں نے عشق کے ہر امتحان میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے وفا کی لاج نبھائی ہے...... سو دیکھئے ۱۹۰۱ء میں ادھر مرزا نے دعوائے نبوت کیا...... اور ادھر مصطفیٰ علیہ السلام کے غلام سید مہر علی شاہ نے اس کو گردن سے دبوچ لیا...... ادھر گستاخ مولویوں نے محبوب خدا علیہ السلام کی ذات گرامی پر تنقیص و اہانت کے تیر چلانا شروع کئے...... اور ادھر محبوب کا دیوانہ احمد رضا بریلوی سینہ تان کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا کہ "اے مردودو! جو کچھ کہنا ہے مجھے کہہ لو، میرے آقا علیہ السلام کی توہین نہ کرو"...... ادھر راج پال، چرن داس، نتھو رام، پالا مل، چنچل سنگھ، رام گوپال، نینوں مہاراج، لیکھ رام اور شردھانند نے سر اٹھایا...... اور ادھر شمع رسالت کے پروانے علم الدین، عبدالرشید، مرید حسین، عبدالعزیز، میاں محمد، عبدالقیوم، محمد صدیق، خدا بخش، عبداللہ اور منظور حسین یکے بعد دیگرے اٹھے...... اور ان موذیوں کے سر کچل کر خود پروانہ وار اپنے آقا علیہ السلام کی ناموس پر قربان ہو گئے......

کیا امتحان عشق میں اس سے بڑھ کر سرخروئی کی اور کوئی ادا ہو گی...... ان شہیدوں نے اپنے خون سے محبت اور وفا کی وہ انمول داستان لکھی ہے جس پر زمین کے سب ذرے اور آسمان کے سب تارے ہمیشہ ناز کرتے رہیں گے...... ادھر مغرب نے اپنی تہذیب و ثقافت اور فکر دانش کے ہتھیاروں سے کملی والے آقا کی سیرت، سنت اور حکمت، معرفت کے خلاف یلغار کی اور ادھر کلیم مشرق علامہ اقبال اپنی آنکھوں میں خاک مدینہ کا سرمہ لگائے، اپنے سینے میں عشق مصطفیٰ علیہ السلام کے دیپ جلائے، میدان جہاد میں نکل آیا...... اور پھر دنیا نے دیکھا کہ مغرب کی تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرنے لگی...... مغرب کی دانش گاہوں میں پڑھا ہوا اور اہل مغرب سے انہی کے لہجے اور انہی کے آہنگ میں بات کرنے والا اقبال جب عشق مصطفیٰ علیہ السلام میں ڈوب کر یورپ کو للکارنے لگا...... تو اہل مغرب سہم کر لرز کر رہ گئے...... اقبال نے اپنے عشق کی قوت سے امت مسلمہ کو بالا کر دیا...... اور دہر میں اسم محمد علیہ السلام سے اجالا کر دیا...... ادھر مستشرقین گروہ در گروہ صلیبی انتقام کے زہر میں بجھے ہوئے تیر و نشتر لیکر دوڑے...... اور ادھر سر سید سمیت سلمان منصور پوری، سید امیر علی، شبلی نعمانی، سید نواب علی اور

نہ جانے کون کون علم اور محبت کے سارے اثاثے لیکر دفاع مصطفیٰ ﷺ کے محاذ پر جم گئے تاآنکہ یورپ کے علمی درندے اپنالہو چاٹتے پسپا ہونے لگے......

ادھر گستاخ مولویوں نے محبتِ رسول ﷺ، ذکر میلاد اور نعت نبی ﷺ کے خلاف بغض و عناد کا محاذ کھولا ......اور لاکھوں دیوانگانِ عشق سینے میں نبی ﷺ کا پیار لئے، آنکھوں میں وفا کے پھول کھلائے، ہونٹوں پر ظہور قدسی کے ترانے سجائے، نعت کہتے ہوئے، نعت پڑھتے ہوئے، نعت سنتے ہوئے قریہ قریہ جشن میلاد بپا کرتے ہوئے...... یہاں تک کہ زمین کا چپہ چپہ ذکر مصطفیٰ ﷺ کی تابانیوں سے جگمگا اٹھا......اور کونین کا ذرہ ذرہ پکارنے لگا......

نثار تیری چہل پہل پہ ، ہزار عیدیں ربیع الاول
سوائے ابلیس کے جہاں میں ، سبھی تو خوشیاں منارہے ہیں

انکارِ سنت کا فتنہ پھوٹا، تو ساتھ ہی اس کا قلع قمع کرنے کیلئے سنت خیر الانام، حجیت حدیث اور اختیار مصطفیٰ ﷺ کے ہر نقطے پر لٹریچر کا انبار لگ گیا......برصغیر کے گوشے گوشے سے علم، دانائی، فکر اور گویائی، جذبوں کی توانائی سب سمٹ کر آئے......اور حدیث مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں لگ گئے......یوں انکارِ حدیث کا فتنہ رفتہ رفتہ کمزور پڑنے لگا......اور انشاء اللہ اکیسویں صدی میں یہ فتنہ دم توڑ دے گا...... ہاں مگر ایک فتنہ......اور بڑا ہی بھیانک فتنہ......ابھی تک مضبوط ہے......اور دن بہ دن پھیل رہا ہے......یہ فتنہ ایک خاموش تحریک ہے...... خوبصورت باتوں اور حسین نعروں کے فریب میں الجھا کر سادہ لوگوں کو ایمان سے محروم کردینے والی تحریک...... عبادت اور اطاعت کے نام پر محبت سے عاری کردینے والی تحریک......مقدس غلاف میں لپٹا ہوا پر اسرار صنم خانہ ......توحید کی دعوت مگر شانِ رسالت کو گھٹا کر، نیکی کی تربیت مگر نجات کا سامان لوٹ کر......ظاہر کی تعمیر مگر باطن کی تخریب......سنتِ رسول ﷺ کی پیروی مگر ذاتِ رسول ﷺ سے دوری......دین کے فضائل مگر صاحب دین کے بغیر......

یا اللہ یہ کیسی تحریک ہے جو تیرا نام لیتی ہے......اور تیرے محبوب ﷺ سے بغض رکھتی ہے......جو ایک مصنف کی کتاب "فضائلِ اعمال" کو اپنا نصاب بناتی ہے......مگر اس میں سے "فضائل درود پاک" نکال دیتی ہے ......جو سنتوں پر عمل کرتی ہے......مگر اس طرح جیسے کافر عمل کرتے ہیں......میرے مولا! تو نے اپنے رسول ﷺ کی سنتوں پر عمل کا حکم کس لئے دیا ہے......کیا صرف اس لیے کہ سنتوں کی محض کافرانہ نقالی ہوتی رہے...... یا اس لیے کہ تیرے رسول کی محبت پھیلے......پھر یہ کیا ہے میرے مولا!......تیرے محبوب ﷺ کی کتنی سخت توہین ہو رہی ہے......سنت کی روح نکالی جارہی ہے......اور اسکی عظمت مٹائی جارہی ہے......بیسویں صدی کا یہ کتنا بُرا فتنہ ہے......جو اپنا پورا تعفن اور پوری غلاظت لیکر اکیسویں صدی میں داخل ہو رہا ہے......مگر نہیں

!...... میرے مالک تیرے محبوب ﷺ کے دیوانے اس فتنے سے غافل نہیں ہیں...... انہوں نے اس کا توڑ بھی شروع کر دیا ہے...... ناموس رسالت کے جاں نثار نہ جانے کتنے ہیں جو اس فریب کا پردہ چاک کرتے رہے ہیں......اور بیسویں صدی میں امتحان عشق رسول ﷺ کے اس محاذ پر بھی سر خرو ہوتے رہے ہیں......

(بشکریہ ماہنامہ "منہاج القرآن" لاہور جنوری ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بقیہ : رضا نامے

لیکن یہ جتنی دھول اڑا رہے ہیں ماہِ رضا کی تابانیاں اتنی ہی عام ہو رہی ہیں۔ ایشیا، یورپ، امریکہ، افریقہ کون سا علاقہ ہے جہاں افکار رضا کی روشنی نہیں پہونچی۔ ہر جگہ آپ کا ذکر، ہر علاقہ میں آپ کی ستائش، ہر گوشہ میں آپ کا فیض ہے۔ اور روز بروز اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ ؎

احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی	سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ

ڈاکٹر صابر صاحب کا مضمون "امام احمد رضا کی مکتوب نگاری" عمدہ تحقیقی کوشش ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مہذب انداز میں نقد و تبصرہ بھی کیا ہے۔ ایسے تبصرے مفید ہوتے ہیں۔ اور صاحبانِ قلم کو ہوشیاری سکھاتے ہیں اور قلمی بے احتیاطیوں سے باز رکھنے میں معاون ہوتے ہیں۔

آپ کی "روداد پاکستان" کی آخری قسط غالباً پہلی قسطوں سے طویل ہے۔ اس قسم کے سفر نامے دلچسپ بھی ہوتے ہیں اور معلومات افزا بھی۔ دور دراز ملک کی شخصیات کا تعارف، مقاماتِ متبرکہ سے واقیفت، وہاں ہونے والی علمی و دینی خدمات سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ اس رودادِ سفر کی بدولت گویا قاری نے پاکستان کے کئی مقامات کی سیر کر لی اور ہلدی لگی نہ پھٹکری۔ آپ نے کعبی صاحب کی کتاب "سلامِ رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ" کے بارے میں اظہارِ حق فرمایا ہے۔

دوسرے مضامین بھی مفید و کار آمد اور لائق تحسین ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس "قلمی مبلغ" کو پروان چڑھائے اور نظرِ بد سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

”مرکزِ اربابِ دانش زندہ باد“

از : مولانا محمد توفیق احمد نعیمی، شیش گڑھ۔ بریلی شریف

محسن رضویات، مرکز ارباب و دانش، پیکر خلوص، طبیب دین متین حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم و مغفور اُن مخلص باذوق حضرات میں سے ایک تھے کہ جو اس شعر کی منہ بولتی تصویر ہوتے ہیں۔ ؎

اک لمحہ بیٹھنے نہیں دیتا ہے چین سے　　　ملّت کا ایسا درد ہمارے جگر میں ہے

حضرات! یہ کوئی من گھڑت کہانی یا مبالغہ آرائی نہیں بلکہ امر واقع ہے کہ جس وقت وہابیہ دیابنہ وغیرہ فرقہائے باطلہ کی ٹیمیں نہایت منظم طور پر سنت و امام اہلسنّت کے خلاف زہر اگلتی پھر رہی تھیں، علی الخصوص تصنیف و اشاعت کے میدان میں مورچہ بندی کرنے میں لگی ہوئی تھیں اور اُن کا ناپاک ارادہ تھا کہ شجر اہلسنّت کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے اور امام اہلسنّت کے چمکتے دمکتے چہرے کو داغدار کر دیا جائے تاکہ قوم ان کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اس کیلئے وہ مسلسل جھوٹ اور فریب سے کام لے رہے تھے او دیدہ و دانستہ قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکتے پھر رہے تھے۔

پناہ خدا وہ امام اہلسنّت جو علوم و فنون و آداب کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھے۔ انھیں میلاد خواں قسم کا معمولی مولوی باور کرایا جا رہا تھا اور جو کور چشم اُن کے شاگردوں کے بھی ہم پایہ نہیں تھے۔ اُنھیں علم کا کوہ ہمالیہ بنا کر پیش کیا جا رہا تھا۔

وہ امام اہلسنّت محسن ملت کہ جنھوں نے آخری دم تک انگریزوں کی شدید مخالفت کی۔ انھیں انگریزی ایجنٹ بتایا جا رہا تھا اور جن ابن الوقت ملا مولویوں کی ساری زندگی انگریزوں کی جوتیاں سیدھی کرنے میں گزری انھیں اسلام نواز اور انگریزوں کا کٹر مخالف بنا بنا کر منصہ شہود پر لایا جا رہا تھا اور یہ شور و غوغا اس قدر مچایا گیا کہ بعض اہل علم تک فریب میں آگئے۔

دوسری طرف اہلسنّت کے علماء و خطباء کی اکثریت کا یہ حال تھا کہ وہ دین و مسلک کی خاطر کچھ کرنے کرانے کو تیار نہیں تھے۔ تن آسانی کے شکار تھے ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ”ہم چوں من دیگرے نیست“ ان کی مرغوب غذا تھی اور اس طرح کی بے شمار کمیوں کے باوجود ان کی خوش فہمی کا یہ عالم تھا : باقی صفحہ ۲۶ پر......

اشاعتِ تصنیفاتِ رضا سے متعلق ضروری باتیں

محمد عبد المبین نعمانی قادری رضوی، دار العلوم قادریہ چریا کوٹ مئو۔ یوپی

آج سارے جہان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے کارناموں کی دھوم ہے۔ مختلف حیثیات سے ان کی بارگاہِ عشق و محبت میں خراجِ عقیدت پیش کیا جارہا ہے۔ ان کی کتب کے تراجم بھی دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو رہے ہیں۔ رسائل و مجلات کے نمبر اور خصوصی شمارے بھی خوب سے خوب تر شائع ہو رہے ہیں۔ ان کے نام پر کانفرنسوں اور اجلاسوں کی بھی بھر مار ہے مگر افسوس کہ یہ سارے کام غیر منظم اور غیر مرتب طور پر ہو رہے ہیں۔ ان کی افادیت سے متعلق انکار تو نہیں کیا جاسکتا مگر یہ سارے کام اگر منظم و مرتب انداز سے ہوں تو ان کی افادیت یقیناً دوبالا ہو جائے۔ اب تک مرکزی مجلس رضا لاہور، رضا اکیڈمی ممبئی، رضا اکیڈمی لاہور، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، المجمع الاسلامی مبارکپور اور تحریک فکر رضا ممبئی نے جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ یقیناً قابل تحسین ہیں بالخصوص رضا فاؤنڈیشن لاہور نے فتاویٰ رضویہ کی تخریج و ترتیب جدید کے ساتھ اشاعت کا جو کام شروع کیا ہے وہ سب پر بھاری اور نہایت درجہ قابل قدر ہے۔ رضا فاؤنڈیشن کالی کٹ کیرالا نے بھی امام احمد رضا کی بعض کتابوں کی اشاعت کا کارنامہ انجام دیا ہے جن سے امام احمد رضا کا عالمی سطح پر تعارف ہو رہا ہے۔ چھوٹی چھوٹی بہت ساری انجمنیں اور بزمیں ہیں جن کا احاطہ نا ممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے اتنے سارے اداروں اور کاموں کی بھیڑ میں جو باتیں زیادہ قابل توجہ ہیں وہ عرض گزار ہیں کہ شاید ان پر توجہ دی جائے تو یہ سارے کام وسیع پیمانے پر اور زیادہ حسن و خوبی کے ساتھ منظر عام پر آسکیں گے اور حضرت امام کا تعارف بھی مزید اچھے اور معیاری سطح پر ہو سکے گا۔

گزارشات:

(۱) ترجمۂ قرآن کنز الایمان کو پورے اہتمام اور صحت کے ساتھ شائع کیا جائے اور اس کے لئے اہلِ تحقیق حضرات کی خدمات حاصل کی جائیں اور دوسرے غلط شائع شدہ تراجم کے خلاف اعلان شائع کیا جائے اگر ناشرین نہ مانیں تو ان کے خلاف تحریک چلائی جائے بلکہ مرکز اہلسنت بریلی شریف کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے قانونی چارہ جوئی بھی کی جائے۔ سارے ناشرین کو تصحیح شدہ نسخے کا پابند بنایا جائے البتہ حسنِ طباعت سائز کاغذ اور دیگر حیثیات سے کوالٹی وائز نسخے اپنے اپنے انداز سے شائع کرنے کی کھلی اجازت بھی دی جائے تاکہ کثرت سے ترجمۂ کنز الایمان کی اشاعت ہو سکے۔ افسوس کہ مارکیٹ میں اب تک جتنے نسخے پائے جاتے ہیں اکثر سینکڑوں اغلاط سے پُر ہیں۔ اغلاط کی ایک فہرست راقم الحروف کے پاس موجود ہے

جو پونے چار سو اغلاط پر مشتمل ہے۔ یہ صرف اس نسخے کا اغلاط نامہ ہے جسے نمبر ۲۲ تاج کمپنی، لاہور کے نام سے نقل کر کے ہندوستانی ناشرین بھی شائع کر رہے ہیں۔ اس بات کی بھی ممانعت کر دی جائے کہ کوئی ناشر اپنی طرف سے یا کسی بھی صاحب کے مشورے سے کوئی مضمون یا فہرست کا اضافہ نہ کرے جب تک مرکز سے اس کی اجازت نہ دی جائے اور اس صورت میں ہر اضافہ شدہ ایسے مضمون یا فہرست مضامین وغیرہ پر اضافہ کرنے والے کا نام بھی ضرور دیا جائے۔ آج کل ناشرین ایک فہرست مضامین قلم کار کی صراحت کے بغیر چھاپ رہے ہیں جس سے غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے جبکہ اعلیٰ حضرت یا صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے کوئی فہرست مضامین شامل نہیں کی یہ ضرور زیادتی ہے۔

(۲) کنز الایمان یا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی شخصیت سے متعلق بہت سے غیر ذمہ دار مصنفین ہیں جن کو نہ ابھی لکھنے کا شعور نہ کوئی نئی بات پیش کرنے کی صلاحیت محض اِدھر اُدھر سے غیر مرتب اقتباسات لیکر ایک مضمون تیار کر دیا۔ ایسے غیر معیاری مضمون نگار مصنف کو اپنی نگارشات کسی کہنہ مشق ادیب صحافی یا مصنف کو دکھانے کے بعد ہی شائع کرانا چاہیے۔

(۳) اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی کتابوں کے نام زیادہ تر عربی میں ہیں ان کا آسان نام اردو زبان میں بھی دینا چاہئے تاکہ عام اردو داں حضرات کو ان کتابوں سے دلچسپی پیدا ہو اور وہ ان سے بھرپور استفادہ کر سکیں ورنہ بالعموم عربی نام دیکھ کر بہت سے لوگ چھوتے ہی نہیں۔ اس طرح ان قیمتی علمی سرمایوں کی اشاعت خاطر خواہ نہیں ہو پاتی۔

(۴) اہلِ علم حضرات اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی مشکل زبان کو حاشیہ یا بین السطور میں سہل کر دیں یا شروع میں بطور مقدمہ اس کا خلاصہ آسان لفظوں میں تحریر کر دیں تو وہ لوگ بھی بہ آسانی استفادہ کر سکیں گے جو اردو کی معمولی جانکاری رکھتے ہیں۔

(۵) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی کتابیں خالص مذہبی، ادبی اور علمی ہیں لہٰذا اُن کو باوقار انداز سے ہی شائع کرنا چاہئے۔ کتابت عمدہ ہو پیراگرافنگ بھی ہو۔ عنوانات جلی ہوں حوض اتنا ہو کہ حاشیہ پر خالی جگہ باقی رہے ورنہ جلد سازی کے وقت اکثر کتاب کا متن ہی کٹا نظر آتا ہے اور کبھی کتاب بالکل خراب ہو جاتی ہے۔ کتاب جلی قلم سے ہو بہت باریک نہ ہو تاکہ کمزور نظر والوں اور کم علموں کو دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ الفاظ پر اعراب بھی لگا دیا جائے تو اچھا ہے اس سے صحتِ خوانی میں بھی کافی مدد ملے گی۔

رضا فاؤنڈیشن لاہور کی جانب سے فتاویٰ رضویہ کی جو جلدیں ترجمہ و تخریج کے ساتھ پیراگرافنگ کی رعایت سے شائع ہو رہی ہیں۔ وہ ایک اچھا نمونہ ہیں اسی طرز کو ہر کتاب میں اپنانے کی ضرورت ہے البتہ ان جلدوں میں مشکل الفاظ پر اعراب اور تسہیل کا کام نہیں ہوا ہے اور نہ ہونا چاہیے کہ وہ علمائے کرام و مفتیانِ عظام کیلئے ہے ہاں عوام الناس کے لئے جو کتابیں، رسائل یا اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ شائع کیے جائیں ان میں مذکورہ باتوں کی بھی رعایت ضروری ہے۔

رضا نامے

مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری، دار العلوم قادریہ، مئو۔ یوپی

افکار رضا کا تازہ شمارہ (جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء) نظر نواز ہوا۔ اکیسویں صدی پر آپ کا اداریہ بہت پسند آیا۔ الحمدللہ روز بروز آپ کا قلم نکھرتا جارہا ہے۔ مولانا محمد علی رضا قادری صاحب کا مضمون حضرت فقیہہ اعظم کا سانحہ ارتحال بڑا پُر مغز اور معلومات افزا نیز مؤثر ہے۔ امام احمد رضا کی مکتوب نگاری پر ڈاکٹر صابر سنبھلی کا مضمون بڑا تحقیقی اور دلچسپ ہے اور محققین و مصنفین نیز مرتبین کے لئے بہترین رہنما بھی۔ حضرت شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ پر مولانا حامد رضا فیضی کا مضمون بڑا جامع اور مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ غزالیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کے مقالہ "الاهداء" نے تو معاندین رضا کے چہرے کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے کہ یہ لوگ عداوت و بغض میں کتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ صریح دھاندلی اور جھوٹی الزام تراشی تک سے باز نہیں آتے اور ایسی ایسی باتوں کا انکار کر بیٹھتے ہیں جن کا ثبوت قرآنی آیات و احادیث نبوی سے صریح طور پر ہو چکا ہے۔ مشورہ جیسی خیر خواہانہ روش کو غلط رخ دے کر پیش کرنا بدترین قسم کی علمی بد دیانتی ہے۔...... ایک مختصر مضمون تصنیفاتِ رضا کے تعلق سے ارسال کر رہا ہوں آئندہ شمارے میں ضرور دیں گے۔

قاضی کلیم احمد قادری، امراؤتی - مہاراشٹر

بعد سلام دعا کے آپ مع احباب خیریت و عافیت سے ہونگے دیگر یہ کہ کافی وقت ہوا آپ سے شرفِ تخاطب حاصل ہو رہا ہے۔ حکیم اہل سنت کی رحلت نے دل کی دھڑکنیں تیز کر دیں، وریدوں اور شریانوں میں خون کا بہاؤ مفقود ہو گیا، ضمیر کی آوازیں تیز ہو گئیں او یہ صدائیں بلند ہونے لگیں کہ ہائے یہ کیا ہوا! دماغ سکتے میں آگیا، قوت فکر مفلوج ہو کر رہ گئی، اضطرابیت کا عالم چھا گیا۔ ایسے لگا کسی نے ہماری زندگی کا سرمایہ ہم سے چھین لیا گیا۔ كل نفس ذائقة الموت. موت برحق ہے یہ ایک تلخ حقیقت ہے جسے ہر انسان کو برداشت کرنا ہے۔ حکیم اہل سنت کی جدائی بے حد پُر ملال ہے۔ وہ ایک بزرگ تھے جو ہم سنیوں کو علم و ادب کا خمیرہ چٹایا کرتے تھے...... وہ ہی تو تھے جنھوں نے ایک چشتی ہوتے ہوئے بھی امام اہل سنت کے فکر کو عام کرنے میں دن و رات ایک کر دیا، اپنوں کو غیروں کو دعوتِ فکر دی۔ اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی فکر سے جوڑ دیا۔ کتنوں نے حکیم صاحب کے در سے اعلیٰ حضرت کی تعلیم کا معجون کھایا اور عقائد کے بگاڑ سے شفائے

کلی حاصل کی اور خالص سنی حنفی بنے...... اب ہم کس سے اپنے مرض کا حال بیان کریں...... کس سے علم و ادب کا خمیرہ کھائیں...... کس سے فاسد عقائد کی اصلاح کیلئے معجون حاصل کریں۔ یہ تمام باتیں ایک لمحۂ فکر ہے ابھی حکیم صاحب کے سانحہ ارتحال کے زخم بھرنے بھی نہ پائے تھے کہ فقیہہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق علیہ الرحمہ والرضوان کے سانحہ ارتحال کی خبر نے دل کو اور مغموم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ حکیم اہل سنت و فقیہہ اعظم ہند کی قبروں کو نور سے بھر دے اور جنت نعیم میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔

زبیر بھائی آپ سے مودبانہ درخواست کروں گا کہ آپ یہ فیصلہ کر دیں کہ آیا ہم دعوت اسلامی سے وابستہ رہیں یا سنی دعوت اسلامی سے۔ آخر یہ ان معاملات کو ہم سلجھا کیوں نہیں لیتے۔ بڑی کوفت ہوئی کہ ہم سب سنی ہونے کے باوجود آپس میں متنازعہ صورت حاصل کر چکے ہیں۔ ہم ایک اور تقسیم کی طرف قدم رنجہ فرمانے جا رہے ہیں۔ آخر فقیہہ اعظم ہند علیہ الرحمہ دعوت اسلامی کے خواہاں تھے تو پھر حضرت علامہ کی بات کو مان لینا چاہئے تھا۔ اور اس طرح کی دوکانداری سے کیا فائدہ اغیار جب ہرے اور سفید عمامے دیکھتے ہیں تو تضحیک کرتے ہیں خاص طور سے تبلیغی وہابیہ۔ یہاں کے ان حضرات کو اختلاف کا علم ہے اور وہ الف سے ی تک تمام حقائق سے آگاہ ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے طریقہ کار ایک، اجتماع کا طریقہ ایک، تربیت کا طریقہ ایک۔ کیا یہ لوگ ہم سنیوں کو آپس میں بانٹ دینا چاہتے ہیں تو پھر سنیت کا کیا ہوگا؟

علامہ عبدالسلام رضوی، استاذ جامعہ نوریہ رضویہ۔ بریلی شریف

آپ کی عظیم نوازش ہے کہ میرے گھر کے پتے پر افکار رضا برابر موصول ہو رہا ہے ہر شمارہ اپنے اندر باصرہ نوازی و دلنوازی کا بھرپور سامان لیکر آتا ہے۔ آپ نے افکار رضا کی اشاعت کیلئے جو طریقہ انتخاب کیا ہے۔ اس کے اثرات کا دائرہ وسیع بھی ہے۔ اور وہ دیرپا بھی ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ میں آپ کی خدماتِ عظیمہ کو شرفِ قبول بخشے اور دونوں جہاں میں آپ کو اور آپ کے رفقاء کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔

شمارہ شوال المکرم تاذی الحجہ ۱۴۲۰ھ پیش نظر ہے۔ گذشتہ ہفتے مجھے یہ شمارہ موصول ہوا ہے۔ نوع بنوع مفید و معلوماتی مضامین کا حسین و جمیل گلدستہ ہے۔ جو دل کیلئے موجبِ سرور بھی ہے اور آنکھوں کے لئے سبب نور بھی۔ حضرت علامہ کاظمی صاحب علیہ الرحمہ کا مضمون بہت ہی مفید اور معلوماتی ہے۔ جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کو علم حدیث میں جو مقامِ ارفع حاصل ہے۔ اُن کے اعداء اُس کی گرد کو بھی نہیں پہونچ سکتے۔ یہ لوگ امام اہلسنت کی خداداد عظمت کو گھٹانے کیلئے کیسے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ سچ ہے "بے حیاباش ہرچہ خواہی کن"۔ باقی صفحہ : ۶۸

علامہ ارشد القادری سے ایک انٹرویو

محمد سراج الدین شریفی 98/B مغلپورہ، سہرام - بہار

جب ہم بر صغیر ہندوپاک کے اسلامی مبلغین پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری نظریں دو اصحابِ فضل و کمال پر جم جاتی ہیں۔ خوش نصیبی سے آج یہ دونوں عظیم شخصیات ہمارے درمیان موجود ہیں اور مرجع عوام و خواص ہیں۔ اور یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ دونوں ایک ہی پلیٹ فارم سے کام کر رہے ہیں گرچہ دونوں کی وطنیت و ملکیت جداگانہ ہے۔ اور ان دونوں نفوسِ قدسیہ کے اسمائے گرامی علامہ ارشد القادری اور علامہ شاہ احمد نورانی ہیں۔

موضوعِ سخن اولذکر حضرت علامہ ارشد القادری ہیں جنہیں عام طور پر ایک ادیب، انشاپرداز اور مقررِ خوش بیان کے طور پر جانا جاتا ہے۔ جبکہ وہ ایک پیر طریقت، مصلح معاشرہ، انتظامی امور کا گہرا تجربہ رکھنے والے اور عالمی سطح کے سب سے عظیم محرک اور متحرک مبلغ اسلام وسنیت ہیں۔

اس مردِ مجاہد کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ جب کسی اہم تبلیغی مشن، کسی ادارے یا کسی تحریک کی بنیاد رکھتے ہیں اور جب مذکورہ مشن یا ادارے کی بنیاد مضبوط ہو جاتی ہے اور وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے تو یہ کسی دوسرے مناسب ترین شخص کو اپنی ذمہ داریاں عطا کر کے خود سرپرستی فرمانے لگتے ہیں اور اسی طرح پھر کسی دوسرے ادارے کے قیام کے لئے کوشاں ہو جاتے ہیں۔ یہی علامہ کی زندگی ہے حالانکہ ان کی جسمانی صحت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ چھہتر سال عمر ہے چلنے پھرنے سے مجبور ہیں مگر ان کا عزم و حوصلہ ابھی جوان ہے۔ سچ پوچھئے تو نمونۂ سلف ہیں۔ ان کا طرۂ امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ نام و نمود سے بہت دور رہتے ہیں۔ اکابر کا احترام اور اصاغر نوازی میں بھی آپ کا وصف بہت نمایاں رہا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مجھ جیسے غیر معروف شخص کو بھی انٹرویو کیلئے ایک گھنٹے کا وقت دیا۔ جب کہ میں نے ان کا انٹرویو لینے کیلئے سہرام سے دہلی نوسو کیلو میٹر کا سفر طے کیا تھا۔

حضرتِ علامہ کی شخصیت اور ان کی جلیل القدر خدمات ایسی ہیں کہ ہر سنی ان پر ناز کر سکتا ہے۔ حالانکہ ان کی قوتِ جسمانی کم ضرور ہو گئی ہے مگر قوتِ حافظہ، سماعت و بصارت اب بھی مضبوط ہے۔ اس قد آور شخصیت کی دینی، علمی، ملی و ادبی خدمات اندرونِ ملک ہی نہیں بیرونِ ملک بھی بہت زیادہ ہیں بلکہ صحیح معنوں میں عالمی حیثیت کے مبلغ اسلام وسنیت ہیں۔ ورلڈ اسلامک مشن جو اہلسنت و جماعت کا واحد

عالمی مشن ہے جسے انھوں نے مکہ معظمہ کی سرزمین پر 1972ء میں قائم کیا تھا۔ فی الحال اس کے چیرمین مبلغِ اسلام علامہ شاہ احمد نورانی صاحب ہیں جو ایک ماہر لسانیات ہیں۔ اس مشن کے ذریعے یورپ کے کئی ممالک میں تبلیغِ اسلام وسنیت کا کام ہورہا ہے۔ اور بقول مولانا فروغ القادری (England) آج یورپ میں موجودہ سیکڑوں مدارس ومساجد کے پیچھے علامہ ارشد القادری کا خونِ جگر ہی شامل ہے۔ آج دعوتِ اسلامی کے زیرِ اثر چلنے والی تحریک کے اثرات پوری سنی دنیا میں محسوس کئے جارہے ہیں اور اس کی خدمات بہت زبردست اور نمایاں بھی ہیں۔ مگر اکثر سنیوں کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس تحریک کے محرک اور بانی بھی علامہ ہی ہیں۔ علامہ نے دعوتِ اسلامی کی داغ بیل 1982ء میں دار العلوم امجدیہ کراچی میں ڈالی اور مولانا الیاس عطاؔر قادری کو اس کا امیر مقرر کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ "فیضانِ سنت" کا خاکہ بھی انہی کا لکھا ہوا ہے۔ اور جاننے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ سنی دعوتِ اسلامی بھی اسی سے متاثر ہوکر عالمِ وجود میں آئی ہے اور "فیضانِ شریعت" بھی فیضانِ سنت کا چربہ ہے۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ دونوں تحریکیں الگ الگ بینر کے تحت کام کررہی ہیں کتنا اچھا ہوتا کہ وہ آپس میں ضم ہوجاتیں۔ آخر دونوں کا پیغام اور میدان ایک ہی تو ہے۔

جہاں تک اندرونِ ملک علامہ کی خدمات کا سوال ہے تو انھوں نے یہاں بھی مثالی نقوش ثبت کئے ہیں۔ جنوبی ہند کو چھوڑ کر حالانکہ انھوں نے یہاں بھی کوششیں کی ہیں اور پورے ملک کو فیضیاب کیا ہے۔ ایک بہار ہی نہیں بنگال، ایم پی، یوپی، دہلی، راجستھان اور مہاراشٹر وغیرہ میں بھی۔ ان صوبوں میں کہیں ایک تو کہیں ایک سے زیادہ مدارس، مساجد، اسکول، تنظیم برائے اصلاح معاشرہ ضرور قائم کیا ہے۔ دہلی میں جامعہ حضرت نظام الدین کا قیام اور اس کی کامیابیاں علامہ کا عظیم کارنامہ ہے۔ مذکورہ ادارہ جامعہ الازہر مصر، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی سے ملحق ہے۔ اور ان یونیورسٹیوں میں جامعہ کے تربیت یافتہ علماء تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ معلوم رہے کہ جامعہ میں علماء کو مختلف زبانوں کی تعلیم اور کمپیوٹر کی تربیت دے کر انہیں اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ عالمی سطح پر تبلیغِ اسلام وسنیت کا کام بہتر طور پر انجام دے سکیں۔ جدید طرز کی چار منزلہ عمارت میں جہاں جدید ترین سہولیات کی آرائش وزیبائش ہے یہ ادارہ کام کررہا ہے۔

جہاں تک صحافت کا تعلق ہے تو انھوں نے اس میدان پُرخار میں بھی زبردست کام کیا ہے اور تحریر وتصنیف تو ان کا خاصہ ہے۔ صاحبِ طرز ادیب اور انشاپرداز ہیں۔ ان کی مشہور تصانیف میں زلزلہ،

زیر وزبر، جماعت اسلامی کیا ہے، تبلیغی جماعت اور تعزیراتِ قلم ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر ان کے کئی کتابچے اور رسائل بھی ہیں۔ مجموعی طور پر ان کی مطبوعہ تصانیف پچاس کے قریب ہیں اتنا ہی نہیں قارئین کرام کو یہ جان کر بہت حیرت ہوگی کہ اعلیٰ حضرت پر انگریزی میں جو سب سے پہلا کتابچہ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے لکھا تھا اور جس کتابچہ کی بدولت یورپ والے اعلیٰ حضرت سے متعارف ہوئے اور اس کے بعد وہ خود بھی اعلیٰ حضرت پر تحقیقی کام کرنے لگے اس کتابچہ کی تصنیف کے پس پردہ بھی علامہ ہی کی تحریک کام کر رہی تھی۔ چنانچہ پروفیسر صاحب نے Neglecteal Genius of the East کے ابتدائیہ میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتابچہ علامہ ارشد القادری کے حکم پر لکھا ہے۔

اتنی اہم اور قابل قدر شخصیت، محسنِ قوم وملت کی خدمات کا حقیقی تعارف اور قوم سے انہیں پذیرائی تو نہ مل سکی البتہ ان کی مذکورہ خدمات کے صلہ میں حکومت بہار نے انہیں مذکورہ خدمات کے صلہ میں حکومتِ بہار نے انہیں مہینوں تک سلاخوں کے پیچھے ضرور رکھ دیا تھا۔ علامہ ارشد القادری جیسی عظیم وجلیل ہستی کی ہمہ جہت شخصیت پر کچھ لکھنا مجھ جیسے کم علم کیلئے ممکن نہیں تھا کیونکہ وقت کے اس آفتاب وماہتاب پر بھی جماعتی تساہل وتغافل کا دبیز پردہ پڑا رہا اور ناقدری کے مکروہ بادل نے اس کی کرنوں کو بھی صحیح طور پر بکھرنے نہیں دیا۔ مستقبل کی بات تو بہت دور کی ہے ابھی حال میں بھی علامہ کی خدمات کے حقیقی خدوخال عوام تو عوام بلکہ بہت سارے خواص کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ وا وجھل ہیں۔ چنانچہ میں نے مناسب سمجھا کہ کیوں نہ علامہ سے ایک انٹرویو لے لیا جائے۔ لہٰذا بہت کوششوں کے بعد مولانا ملک الظفر سہسرامی مدیر "الکوثر" کی سفارش اور مولٰنا مقبول احمد مصباحی پرنسپل "جامعہ حضرت نظام الدین" کی کوششوں سے علامہ نے مجھے ایک گھنٹہ کا وقت دیا۔ انٹرویو جامعہ میں ان کی آفس میں 11/8/2000 بروز جمعہ دوپہر بارہ سے ایک بجے تک لیا گیا۔ دورانِ انٹرویو حضرت نے مجھے بہترین چائے اور ناشتہ سے نوازا۔ علامہ نے میرے ہر سوال کا جواب بہت مختصر طور پر دیا ہے۔ اس امر کا قارئین کرام خاص خیال رکھیں۔ یہ انٹرویو جہاں عام کیلئے معلومات کا ذریعہ ہے وہیں خواص کے لئے سبق آموز بھی ہے۔

سوال : آپ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی ہے؟

جواب : سید پورہ ضلع بلیا یوپی میں 1925ء میں۔

سوال : آپ کے اساتذہ کون کون ہیں؟

جواب : حضرت شاہ عبدالعزیز محدث مراد آبادی (حافظ ملت)، مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری، مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی اور مولانا شاہ اللہ متوی قابل ذکر ہیں۔

سوال : آپ کے تلامذہ؟

جواب : مفتی جلال الدین احمد امجدی اور مولانا صغیر اللہ بنارسی قابل ذکر ہیں۔

سوال : آپ کی بیعت کس سے ہے؟

جواب : خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا امجد علی اعظمی سے۔

سوال : آپ کو اجازت و خلافت کس کس سے ملی ہے؟

جواب : خلیفۂ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی اور سرکار پٹنہ حضرت سید شاہ فدا حسین سے۔

سوال : آپ کے مریدین کی تعداد کتنی ہے؟

جواب : پیری مریدی چونکہ میں پیشے کے طور پر نہیں کرتا ہوں اس لیے میرے مریدوں کی تعداد بہت کم ہے۔

سوال : ورلڈ اسلامک مشن، اس سے متعلق علماء و عہدیداران نیز اس کی پیش رفت کے بارے میں بتائیں؟

جواب : میں نے اس مشن کو 1972ء میں سرزمین پاک مکہ معظمہ میں قائم کیا تھا۔ فی الحال اس کے چیرمین علامہ شاہ احمد نورانی ابن خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا عبدالعلیم میرٹھی ہیں۔ اور وائس چیرمین میں خود ہوں اور جنرل سکریٹری علامہ قمر الزماں اعظمی ہیں۔ اس سے منسلک علماء میں علامہ عبدالستار خان نیازی، مولانا رضاء المصطفیٰ امجدی اور علامہ شاہ فرید الحق اور ہندوستان کے مولانا شاہد رضا قابل ذکر ہیں۔

سوال : مذکورہ مشن کو جب آپ نے قائم کیا ہے تو چیرمین بھی آپ کو ہی ہونا چاہئے تھا؟

جواب : موجودہ چیرمین کئی زبان جیسے عربی، فارسی، اردو، انگریزی اور فرانسیسی بھی جانتے ہیں اس لئے انہیں یہ مقام عطا کیا ہے۔ اور جہاں تک پیش رفت کا سوال ہے تو اس نے یورپ کے بڑے حصے میں بہت کام کیا ہے اور تا ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ بالخصوص برطانیہ، ہالینڈ، بیلجیم، ڈنمارک، جرمنی، امریکہ اور یورپ کے دوسرے خطوں میں بھی۔

سوال : دعوتِ اسلامی کے قیام میں آپ کا کردار کیا ہے؟

جواب : میں نے اسے 1982ء میں دار العلوم امجدیہ کراچی میں قائم کیا اور اس کے امیر کے طور پر مولانا الیاس عطار قادری کو مقرر کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ فیضانِ سنت کا خاکہ بھی میں نے ہی لکھا ہے۔

سوال : اس عمر میں جب کہ آپ بہت کمزور ہو چکے ہیں آپ کے خواب اور عزائم کیا ہیں؟

جواب : جامعہ حضرت نظام الدین سے متعلق جو میرے خواب ہیں اُسے پورے کرنا اور دوسرا "حیات النبی" کے نام سے حضور پاک ﷺ کی ایک سیرت لکھنا۔ ویسے حیات النبی پر کام ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے۔...... ایک ضمنی سوال کے جواب میں انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ وحید الدین خان کے باطل اور خطرناک نظریات کے رد میں بھی ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔

سوال : میدانِ سیاست وصحافت اور معاشرت میں آپ کی خدمات کیا ہیں؟

جواب : میں نے آج تک کسی پارلیمنٹری الیکشن میں حصہ تو نہیں لیا، البتہ مسلمانوں کے مسائل کی نسبت اربابِ سیاست واقتدار سے ملاقاتیں کر کے حل المشکلات کیلئے کوشاں رہا ہوں۔ اور صحافتی میدان میں میری خدمات حسبِ ذیل ہیں۔ جمشید پور سے پندرہ روزہ جام کوثر، ماہنامہ جام نور اور پٹنہ سے ماہنامہ رفاقت نکال چکا ہوں۔ معاشرتی اور تعلیمی میدان میں تو بہت کام کیا ہے۔ جیسے دار العلوم فیض العلوم جمشید پور، دار العلوم ضیاء اسلام کلکتہ، ادارۂ شرعیہ اور مدرسہ شرعیہ پٹنہ، فیض العلوم اسکول طلباء وطالبات دونوں کے لئے جمشید، آزاد نگر جمشید پور میں مدرسہ دار السلام اور مدرسہ تنویر الاسلام، رانچی میں اسلامی مرکز، پرولیا میں مدرسہ غوثیہ، کڈرماں میں مدرسہ دار السلام، نوادہ میں دار العلوم فیض الباری، سید پورہ ضلع بلیا یوپی میں تربیت گاہ برائے ائمۂ مساجد۔ یہاں کمپیوٹر کی تربیت کا بھی نظم ہے۔ دار العلوم رشیدیہ سکندر پور ضلع بلیا یوپی، سہارنپور میں جامعہ غوثیہ رضویہ، کلیر شریف میں دار السلام رضویہ اور جے پور میں دار العلوم اہلسنت قائم کی ہے۔

ایک اور ضمنی سوال کے جواب میں علامہ نے میرے اس مؤقف سے اتفاق کیا کہ موجودہ حالات میں عوام اہلسنت کو ہر ممکن طریقہ سے انہیں سنی نقطۂ نظر سے اسلامیات کے مطالعہ کی طرف راغب کرنے کی ضرورت ہے۔...... وقت کی کمی اور علامہ شیخ ارشد القادری امجدی کی نقاہت کی بنا پر میرے کئی سوالات تشنہ رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحتِ کاملہ اور درازیٔ عمر عطا فرمائے تا کہ وہ اپنے ادھورے خوابوں کو پورے کر سکیں اور عالم اسلام ان کے علم وحکمت سے فیضیاب ہوتا رہے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

تبصرۂ کتاب: "حضور مجاہد ملت کا گوشۂ حیات"

مؤلف: سید اولاد رسول قدسی مصباحی

مبصر: محمد فخر عالم فیضی برکاتی

ناشر: آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت

قیمت: تیس ۳۰ روپے

ملنے کا پتہ: اقراء بک ڈپو، محمد علی روڈ، ممبئی

اردو زبان وادب کی زلفِ برہم کو سنوارنے میں جہاں ہندوستان کے دوسرے صوبہ جات کے اہلِ علم اور اہلِ قلم نے اپنا خون جگر پیش کیا ہے۔ وہیں صوبہ اڑیسہ کے ادباء و شعراء کی خدمات بھی قابل مبارکباد ہے۔ اڑیسہ کی زمین بھی ہر زمانے میں ایک سے ایک دانائے راز پیدا کرتی رہی ہے۔ انھیں دانائے راز میں حضرت مولانا سید اولاد رسول قدسی کا بھی شمار ہوتا ہے۔ آپ کی شعر گوئی کی عمر کوئی زیادہ نہیں ہے۔ لیکن آپ کے شعری فن پاروں نے ادبی دنیا کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے حاملانِ سخن نے آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ ان میں چند مشاہیر اہل فن و ناقدینِ ادب کے نام یہ ہیں۔ علی سردار جعفری، ڈاکٹر عنوان چشتی، کالی داس گپتا رضا، پروفیسر کرامت علی کرامت، حفیظ اللہ نولپوری، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق۔

یوں تو علامہ قدسی کے دامنِ کرم میں بہت سارے علوم وفنون پرورش پا رہے ہیں۔ ان فنون میں نعت گوئی و غزل گوئی کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ عربی ادب، اردو ادب اور انگریزی ادب پر آپ کی گرفت قابلِ اعتماد ہے۔ جس طرح نعت گوئی و غزل گوئی کے تپتے صحرا میں آپ نے اہلِ فن کو اپنے وجود کا احساس دلایا ہے اسی طرح نثر کے میدان میں بھی آپ نے اپنی شناخت بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ مذکورہ بالا تمام فنون پر آپ کی نگارشات منظر عام پر آ کر اہلِ علم و فن سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ سہ ماہی "افکار رضا" کے سابقہ اردو اور انگریزی شماروں میں حضرت کے چند مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ اردو ادب و انگریزی ادب کے حوالے سے آپ کی شعری تخیلات کی چند جھلکیاں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

نعتیہ اشعار:-

آج پھر ان کی یادوں کا جھونکا چلا
دل کا عالم وہی حسب سابق ہوا
طائر عشق طیبہ مجھے لے اڑا
ہجر تکتا کف پاس ملتا رہا

غزلیہ اشعار:۔

ہر ایک پتہ مجھے دیکھتے رہا قدسی
گلاب چھوڑ دیا میں نے خار چھین لیا
روپڑے پھوٹ پھوٹ کر جملے
دیکھ کر خستہ حال لفظوں کا

انگریزی اشعار:۔

Due to him all fainted polytheist
Dark thinkings lighter powerful Nabi
He is every moment remaining with us
To us so closer Prophet Muhammad

"حضور مجاہد ملت کا گوشۂ حیات" نثر میں آپ کی تازہ ترین کوشش ہے۔ اس کتاب میں آپ نے عالم اسلام کی ایک عظیم روحانی شخصیت حضور مجاہد ملت حضرت علامہ الشاہ حبیب الرحمان عباسی ہاشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات و خدمات کے ان گوشوں کو اجاگر کی کوشش کی ہے جو اہل علم اور اہل عقیدت کی نگاہوں سے بہت حد تک پوشیدہ تھے۔ ۱۲ اگست ۲۰۰۰ء کو اس کتاب کی رسم اجرا کرتے ہوئے حضور اشرف ملت حضرت سید شاہ محمد اشرف میاں صاحب برکاتی نے فرمایا"

"اب تک شعر و سخن کے حوالے سے قدسی صاحب کی نگارشات پڑھنے کا اتفاق ہوتا رہا ہے۔ لیکن اس کتاب کو پڑھنے کے بعد مجھے یہ اعتراف کرنا پڑا کہ جس طرح آپ نظم کے میدان میں انفرادیت کے حامل ہیں اسی طرح نثر میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے۔"

اس کتاب میں علامہ قدسی صاحب نے کہیں کہیں سیرت نگاری سے ہٹ کر سلگتے حالات سے قوم وملت کو خبردار کرنے کی کوشش کی ہے اور انتہائی خوبصورتی کے ساتھ ان لوگوں کے چہرے سے نقاب اٹھایا ہے جو ذاتی مفاد کی خاطر مذھب و مسلک کے دامنِ تقدس کو داغدار کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے۔ اس سے جہاں موصوف کی حق گوئی، مذہب پرستی اور اسلاف دوستی کا ثبوت ملتا ہے۔ وہیں ان عناصر سے بھی شدید نفرت کا اظہار ہوتا ہے جو اسلاف کے پاکیزہ کارناموں پر دھول جھونکنے کی ناپاک کوشش کرتے رہتے ہیں۔

کتاب ہر اعتبار سے قابل مطالعہ ہے۔ مستند واقعات، دیدہ زیب تامٹیل، خوبصورت طباعت وکتابت اور دل کو چھو لینے والے انداز قارئین کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہتے۔ ہاں کہیں کہیں پروف ریڈنگ میں بے توجہی کا احساس قاری کو الجھنوں میں ڈال دیتا ہے۔

تحریکِ فکرِ رضا

ہمارے مقاصد:

- علیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔
- علمائے اہلِ سنّت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکرِ رضا کی ترویج و اشاعت میں دِن رات کوشاں رہنا۔
- امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔
- امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔
- اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔
- ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجیے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مددگار رہوگا۔

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی